حیاتِ امام طحاوی

امام طحاویؒ کی مستند ترین سوانح

از افادات

لسان الاسلام حضرت مولانا السید فخر الحسن مدظلہ

اُستاذ تفسیر و حدیث دار العلوم دیوبند

ناشر

کتب خانہ فخریہ دیوبند (یوپی)

باسمہ تعالیٰ

حیاتِ امام طحاویؒ

جس میں

امام طحاویؒ کی پوری زندگی، تمام حالات، تمام تصانیف کی خصوصیات مع تبصرہ، سیرت وکردار کے جوہر کی رونمائی، مخالفین کے ہر شبہ کا ازالہ، تبدیلیٔ مسلک کے اسباب، نظر طحاویؒ کی تشریح، اساتذہ اور تلامذہ کی مکمل فہرست، موجودہ کتابوں کی نشاندہی وغیرہ وغیرہ

مع مقدمہ

ازافادات

لسان الاسلام حضرت مولانا السید فخر الحسن صاحب دامت برکاتہم

استاد تفسیر وحدیث دارالعلوم دیوبند

ناشر

کتب خانہ فخریہ دیوبند یوپی

قیمت ایک روپیہ 1/0 (نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین

امابعد:۔ قوم کی سیرت سازی اور تعمیر ملت میں جتنا اہم حصہ علماء اسلام اور خادمان کتاب وسنت کا رہا ہے اس سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ علوم نبوت کی خدمت اور احکام خداوندی کی اشاعت میں صرف ہوتا ہے۔ ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مسلمان کے سارے کاروبار، اس کی ساری بھاگ دوڑ اور تمام تر جد وجہد کا محور و مرکز صرف اسلام ہو جو خدا کا آخری دین اور مکمل قانون ہے اور جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے اور ساتھ ہی پیروان اسلام ان تمام گندگیوں سے اپنے آپ کو پاک رکھیں جن سے اسلام روکتا ہے یا جو اس کی نگاہ میں ناجائز اور ناپسندیدہ ہیں ان کا جینا، مرنا، چلنا پھرنا، کھانا، پینا سونا، جاگنا الغرض ان کی ہر حرکت وسکون قوانین الٰہی کے ایماء پر

وہ یقین کریں کہ جب ہم نے اپنا ہاتھ اسلام کے ہاتھ میں دیدیا ہے تو پھر ہمیں اپنی مرضی اور خوشی سے کوئی قدم اٹھانا بھی روا نہیں ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ مشکوٰۃ نبوت سے ان کے سینے پُرنور، عبادت الٰہی اور خدمت دین مبین سے ان کے دل بقعۂ نور بن جاتے ہیں۔ ان میں خشیت الٰہی اور معرفت خداوندی کا خزانہ مضمر ہوتا ہے۔ علوم دینی کی ممارست سے ان کے دلوں میں جو روشنی پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے ان کی نگاہ دوربیں اور ان کی انگلیاں نبض شناس ہو جاتی ہیں وہ فرض شناس خداترس اور دوراندیش ہوتے ہیں غیر ممکن ہے کہ ایک شخص علماء اسلام اور ہادیان ملت کی زندگی کے ان واقعات کا جائزہ لے ان کی سوانح پڑھے ان کی دینی و فکری اور علمی و عملی کدوکاوش کا مطالعہ کرے اور پھر اثر پذیر نہ ہو اور اس آئینہ شفاف میں اپنے خدوخال اور نوک و پلک کا معاینہ کرے۔

اگر یہ درست ہے کہ انسان ان کوائف وحالات سے متاثر ہوتا ہے جن میں پاکیزگی ہوتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ علماء اسلام کی حیات پڑھیں اور اثر قبول کرنے پر اپنے آپ کو مجبور نہ پائیں اور اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی فکر سے بے نیاز ہو جائیں۔

ان وجوہ سے ایک عرصہ سے دلی خواہش تھی کہ علماء اسلام کے حالات سادہ و شگفتہ اور سلیس و آسان زبان میں لکھ کر شائع کئے جائیں اور مسلمانوں

میں ان کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا جائے بالخصوص ان فقہا ء اور محدثین کے سوانح جن کی محنت اور کدو کاوش کا خوشگوار ثمرہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور جن سے دن رات ہم مستفید ہوتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مانوس ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ دین قیم کا سارا سرمایہ انھیں اکابر کے واسطے اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ اولاً خواہش یہ تھی کہ خود یہ خدمت انجام دوں اور جو کچھ ہوسکے عوام و خواص کے سامنے پیش کرسکوں مگر ادھر کئی سال کے تجربات سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم کی تدریسی خدمات کا جیسا انہماک ہے اور پھر جو ہفتہ وار تبلیغی دورے ہوتے رہتے ہیں ان کے ہوتے ہوئے شاید یہ تالیفی اور تصنیفی خدمت انجام نہ پاسکے۔ مگر بہرحال مایوس بھی نہیں جتنا کچھ ہوسکتا ہے اس سے قطعاً دریغ نہیں ہے اور اپنے محدود وقت میں حسب حد تک ممکن ہے کر رہا ہوں مگر اسی کے ساتھ اپنے عزیز شاگردوں میں چند افراد کو میں نے اس کام کے لئے منتخب کرلیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اچھی صلاحیت بخشی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت کی دولت سے نوازیں اور اپنے دین کی خدمت کی توفیق زیادہ سے زیادہ عطا کریں۔

ہندوستان میں ایک جماعت ایسی ہے جو غلط فہمی یا اپنی نادانی سے یہ سمجھتی ہے بلکہ پروپیگنڈہ بھی کرتی ہے کہ احناف قیاس اور رائے پر چلتے ہیں حدیث سے ان کو ایسا شغف نہیں ہے جیسا کہ چاہیئے حالانکہ علماء احناف پر یہ سراسر غلط الزام ہے بلکہ جھوٹ ہے۔ ارباب فضل و کمال جن کو اللہ تعالیٰ

نے بصیرت بخشی ہے جانتے ہیں کہ حضرات حنفیہ سے زیادہ اور کسی کو حدیث پر اہتمام عمل نہیں ہے نیز فقہ حنفی حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں ہے اس کا ایک ایک جزئیہ حدیث نبوی سے مستنیر ہے۔ امام الامت ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۸۰ھ ۱۵۰ھ) جن کی طرف یہ فقہ منسوب ہے متفقہ طور پر مجتہد تھے اور مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ احادیث نبویہ کے ذخیرہ پر پورا پورا عبور رکھتا ہو جب تک کوئی مجتہد کتاب و سنت پر حاوی نہ ہوگا مسائل و احکام کا استنباط اور استخراج کہاں سے کریگا؟ اس کا تعلق علم نقل سے ہے عقلیات سے نہیں عقل رہبر ضرور ہوتی ہے لیکن مواد علوم نقلیہ ہی ہوتے ہیں۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تابعین کرام میں ہے اور آپ ان تمام ائمہ دین اور علماء حدیث سے مقدم ہیں جن کا نام لے کر کچھ لوگ احناف اور عوام کو مرعوب کرنے کی سعی کیا کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ حضرات محدثین تو علیحدہ رہے خود ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ تک آپ کے شاگردوں اور مستفیدین میں داخل ہیں اُن میں سے کوئی بلا واسطہ آپ کا شاگرد ہے تو کوئی بالواسطہ۔ امام مالکؒ کا تلمذ بھی امام ابوحنیفہؒ سے بعض کے نزدیک ثابت ہے اور اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ امام اعظمؒ سے امام مالکؒ نے کافی استفادہ کیا ہے اور آپ سے صدہا مسائل لیئے ہیں آپ کی کتابوں کی تلاش اور جستجو میں رہا کرتے تھے اور جہاں بھی کوئی کتاب مل جاتی اس سے استفادہ فرماتے۔

امام شافعیؒ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ وہ امام محمدؒ کی باضابطہ

خدمت میں رہے اور ان کی شاگردی اختیار فرمائی اور امام محمدؒ کا تلمذ امام اعظمؒ سے تو اتنا مشہور ہے کہ اس کے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں فقہ حنفی کی بنیادی کتابیں آپ ہی کی جمع فرمودہ ہیں۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے تلامذہ میں ہیں اور امام احمدؒ نے امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں سے بھی استفادہ فرمایا ہے جیسے کہ امام ابو یوسفؒ سے امام احمدؒ کا تلمذ مشہور ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص۲۶۷ میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ امام اعظم کا سن ولادت ۸۰ھ ہے اور امام مالکؒ کا ۹۵ھ اس لحاظ سے امام مالکؒ سے امام اعظمؒ پندرہ سال بڑے تھے اور امام شافعیؒ سے ستر سال اور امام احمد بن حنبل سے چوراسی سال[1]۔

اب رہے محدثین کرام امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ امام ابوداؤدؒ وغیرہم یہ حضرات سب کے سب امام اعظمؒ سے بہت بعد میں دنیا میں تشریف لائے ہیں ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی طریقہ سے امام اعظمؒ کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے علم حدیث میں استفادہ کیا ہے اور ان کی شاگردی باقاعدہ اختیار کی ہے جس کا جی چاہے اس عنوان پر ریسرچ کر کے دیکھ لے۔

امام[2] بخاریؒ امام اعظمؒ سے ایک سو چودہ سال چھوٹے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ

---

[1] امام مالکؒ کا سن ولادت ۹۴ یا ۹۵ھ ہے امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے ۱۲

[2] ان محدثین کا سن پیدائش۔ امام مسلمؒ ۲۰۴ھ اور امام ابوداؤدؒ ۲۰۲ھ اور امام بخاریؒ ۱۹۴ھ

ایک سو بائیس۱۲۲ سال اور امام مسلمؒ ایک سو چوبیس۱۲۴ سال۔

جن لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ امام اعظمؒ صرف فقیہ تھے اور حدیث سے شغف نہیں رکھتے تھے یا تو از راہ تعصب یہ خیال پیدا ہوا یا غور و فکر سے عاری ہونے کی وجہ سے۔ جو بھی صورت ہو اس سلسلے میں ان لوگوں سے یقینی طور پر غلطی ہوئی اور ایسی غلطی جس کی تاویل نہیں ہو سکتی۔

امام صاحبؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس میں فقیہ کہلانے کے لئے حافظ حدیث کا ہونا ضروری تھا اس دور کے فقہ کی تعریف بھی آجکل کے فقہ کی تعریف سے بالکل علیحدہ تھی جیسا کہ حاشیہ توضیح میں علامہ مرجانیؒ نے فقہ کی مختلف تعریفیں مختلف دوروں کے اعتبار سے نقل فرمائی ہیں من شاء فلیطالع ثمہ۔ فقہ کی داغ بیل ڈالنے والے خود امام اعظمؒ ہیں آپ کو اس سلسلہ میں مدون اول کا فخر حاصل ہے جب آپ کے زمانے میں موجودہ اصطلاحی مروج علم فقہ کا پتہ ہی نہیں تھا تو امام اعظمؒ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ آپ کو فقیہ اس وجہ سے کہا گیا کہ آپ مروج فقہ کی کتابوں پر عبور رکھتے تھے اس کو جنون کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے حافظ حدیث تھے اس کے بعد فقیہ۔ آپ احادیث نبویہ پر عبور تام رکھتے تھے اور حدیث میں ہزاروں اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا تھا پھر اس کی برکت سے آپ فقیہ بنے اور آپ نے امت کی آسانی کے لئے فقہ کی تدوین فرمائی اور تدوین بھی بذات خود تنہا نہیں کی بلکہ علماء کی ایک پوری جماعت کو

ساتھ لے کر جس میں ہر علم وفن کے ماہر علماء شریک تھے بحث ومباحثہ کی مجلس گرم ہوتی تھی اور جب مسئلہ منقح ہو کر سامنے آتا تو اس کو قلم بند کیا جاتا تھا حزم واحتیاط کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں سب پر پورا پورا عمل کیا جاتا تھا اور باایں ہمہ آپ کا آخری اعلان تھا کہ ہمارا کوئی مستنبط مسئلہ خلاف سنت نظر آئے تو اسے ترک کر دیا جائے اور حدیث پر عمل کیا جائے۔ یہ پوری بحث آپ فتاوی دارالعلوم کے مدلل ومکمل مقدمہ میں پڑھیں جہاں بقدر ضرورت بحث آگئی ہے اور عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے۔

تذکرہ محدثین کا جو سلسلہ شروع ہو رہا ہے خوشی ہے کہ اس کی ابتدا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی جا رہی ہے جو فن حدیث کی معلومات وسعت نظری ایک موضوع کی مختلف احادیث میں باہم تطبیق دینے اور فقہی بصیرت کے اندر ممتاز مقام رکھتے ہیں اور حنفی مسلک کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ پہلے شافعی المذہب تھے مگر تحقیق وتفحص اور دوربینی و دوررسی کے نتیجہ میں حنفی مسلک کو قبول فرمایا اور اس مسلک کی حمایت میں احادیث نبویہ کا ایک عظیم الشان ذخیرہ شرح معانی الآثار کے نام سے جمع کیا اور اس میں جو ترتیب اور طریقہ بحث اختیار کیا وہ ہر طرح لائق داد وتحسین ہے۔ یہ ترتیب ہمارے مدارس اسلامیہ میں داخل ہے اگرچہ یہ کتاب جس توجہ خاص کی مستحق ہے اُسے اس کا یہ حق اب تک نہیں ملا ہے مگر باایں ہمہ جو لوگ سرسری طور پر ہی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کس پایہ کی کتاب ہے اور اس کتاب کی یہ عظمت ہر دور میں قائم رہی۔ حافظ حدیث علامہ بدرالدین عینیؒ جن کی عمدۃ القاری شرح

صحیح بخاری اہل علم میں مشہور و مقبول ہے اور جو خود ایک بلند پایہ مصنف اور محقق ہیں برسوں جامعہ مویدیہ مصر میں اس کا درس دیتے رہے ہیں۔

ملک موید جو ایک بڑا عالم و فاضل بادشاہ گذرا ہے اس نے اور کتابوں کے ساتھ اس کے درس کا بھی خاص اہتمام کر رکھا تھا بلکہ ہر زمانہ میں اس کتاب کو بہت سی دوسری کتابوں پر علمائے محققین نے ترجیح دی۔ اس کتاب میں عموماً وہی احادیث ہیں جو صحاح ستہ، مصنف ابن ابی شیبہؒ اور دیگر کتب میں ہیں حافظ ابوجعفرؒ طحاوی کی یہی ایک خدمت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں بھی ہیں جن کی تفصیل آپ زیر نظر رسالہ میں پڑھیں گے اول بقیہ میں مشکل الآثار جو چار ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے یہ ایک نفیس اور بلند پایہ کتاب ہے۔

امام طحاویؒ تیسری صدی کے اول مشاہیر محدثین میں سے ہیں جن کے علم و فن تقویٰ و طہارت، فہم و فراست اور علمی سوجھ بوجھ پر علماء کی جماعت کو فخر ہے۔ آپ کے شیوخ عموماً وہی ہیں جو امام مسلم رحمہ اللہ کے تھے اور یہی وجوہ ہیں کہ علامہ ابن حزم۔ ابن یونس۔ ابن عساکر۔ حافظ ابن عبدالبر۔ حافظ سمعانی علامہ ابن جوزی اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمہم اللہ پھر حضرت علامہ مولانا عبدالحی صاحبؒ فرنگی محلی، راس المحدثین فرید الدہر حضرت مولانا السید محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ رئیس الکاملین والمحدثین شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور دوسرے سینکڑوں علماء نے آپ کو سراہا ہے اور دارالعلوم کے موجودہ صدر المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد ابراہیم

صاحب مدظلہٗ ان کو اپنے درس میں احناف کا بیرسٹر فرمایا کرتے ہیں۔ غرضکہ تمام سلف وخلف تمام محدثین وفقہاء نے آپ کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب حیات امام طحاویؒ ایک عربی رسالہ (حاوی) کا ترجمہ ہے جو مستقل تالیف کا حکم رکھتی ہے محقق عصر علامہ زاہد الکوثری مصری جو ایک زبردست محدث گذرے ہیں انھوں نے بڑی محنت سے یہ عربی رسالہ لکھا ہے اور بڑے محققانہ انداز میں جہاں امام طحاویؒ کی سیرت کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے وہیں مسلکِ احناف کے متعلق اگر کوئی بحث آگئی ہے تو اس پر بھی سیر حاصل کلام کیا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب اردو کے لباس میں آپ کے ہاتھوں میں آرہی ہے اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں آپ اس کا بغور مطالعہ فرمائیں پھر آپ خود میری باتوں کی تصدیق کریں گے۔

اخیر میں اتنا اور عرض کردینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند نے ملک اور بیرون ملک میں جہاں اسلام کی عظیم الشان خدمت انجام دی علوم دینیہ کی عظمت برقرار رکھی اور خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کی اشاعت وحفاظت کی ذمہ داری سنبھالی وہیں اس مرکزِ علوم دارالعلوم دیوبند نے فقہ حنفی کو منقح کرنے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی بلکہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تقریر وبیان سے اُسے ہر طرح مزین اور دلنشین بنایا اور دنیا پر واضح کردیا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے عین مطابق ہے اور اس کا ایک مسئلہ بھی سنت نبویہ کے خلاف نہیں۔

بلکہ کہنا چاہیئے کہ ایک مسئلہ سے متعلق تمام مختلف حدیثوں میں تطبیق

وجمع کا جو طریقہ حضرات احناف نے اختیار فرمایا ہے وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ جامعیت کی جو شان یہاں ہے وہ شاید کسی دوسرے مسلک میں نہ مل سکے۔ اس سلسلہ میں فیض الباری، عرف الشذی، فتح الملہم، تقریر ترمذی شیخ الہندؒ و تقریر ترمذی شیخ الاسلامؒ، احیاء السنن و اعلاء السنن کوکب الدری، طیب الشذی" اور دوسری کتب کا مطالعہ فرمایا جائے۔

یہ عجالہ نافعہ (حیات امام طحاوی) دو عزیزان گرامی کی علمی اعانت سے سرانجام پاسکا ایک تو کسی قیمت پر اپنے نام کے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور دوسرے عزیزم مولوی سید بہاء الحسن سلمہٗ استاد دارالعلوم دیوبند ہیں۔ دعا ہے کہ رب العالمین ان کی یہ خدمت قبول فرمائیں اور ان کے لئے زادِ آخرت بنائیں۔

یہ کتاب شاید ابھی منظرِ عام پر نہ آسکتی اگر اس سلسلہ میں عزیز محترم مولانا محمود صاحب سورتی" ناظم کتب خانہ پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے جناب حاجی سیٹھ محمد شریف صاحب مالک انوار ہلال ریسٹورنٹ احمد آباد، اس کی کتابت و طباعت اور دوسرے اخراجات کی ذمہ داری قبول نہ فرماتے۔ اس علم دوستی پر ان دونوں حضرات کا شکر گذار ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العزت ان حضرات کو دارین کی بہترین نعمتوں سے نوازیں۔ آمین

احقر فخر الحسن غفرلہٗ ولوالدیہ

دارالعلوم دیوبند - ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۳ھ و ۱۴ اگست سنہ ۱۹۶۳ء

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ الذی رفع مقام العلماء العاملین فی الاولین والاٰخرین و شرف قدرھم یوم یقوم الناس لرب العالمین وکافأھم مکافأۃ المحسنین بخدمتھم فی الدین **والصلوٰۃ** والسلام علیٰ سید المرسلین و قائد الغرا لمحجلین سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین!

فقہ اسلامی میں امام ابوجعفر احمد بن محمد سلامۃ طحاوی رحمہ اللہ کا شمار اعاظم مجتہدین میں ہوتا ہے۔ روایت اور درایت دونوں علوم میں انتہائی بلند اور انتہائی نفع بخش تالیفات یادگار چھوڑیں امت مسلمہ کے قافلۂ علم میں بہت کم ایسے حضرات نکلیں گے جو بیک وقت حدیث اور فقہ و اصول فقہ میں امام طحاوی کے کمال ہمہ دانی کی ہمسری کرسکیں، امام کو ان دونوں میں رتبہ بلند میسر تھا، جن حضرات نے امام کے آثار علمیہ سے استفادہ کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں،

بنظر افادہ جی چاہا کہ امام کے حالات پر مشتمل ایک مختصر تالیف

بنام الحاوی فی سیرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی پیش کردی جائے، مقصد یہ ہے کہ اس طرح امام کے علمی احسانات کا ایک گونہ اعتراف اور شخصیت کا تعارف ہوجائے واللہ سبحانہ ولی التوفیق والهادی الی اقوم طریق!

نسب وولادت:- سلسلۂ نسب یمنی قبیلہ حجر آزد سے ملتا ہے مصر قلمرو اسلامی میں آیا تو امام کے اجداد یہیں فروکش ہوگئے۔ ازد تاریخ کا جانا پہچانا قبیلہ ہے۔ حجر (بفتح الحاء وسکون الجیم) اس کی ایک شاخ ہے، ایک دوسرے قبیلہ ازد شنورۃ سے ممتاز کرنے کے لئے ازد حجر بولاجاتا ہے، ازد (بفتح الهمزہ وسکون الزاء) ایک طویل الذیل قبیلہ ہے انساب کی تالیفات میں تمام شاخوں کی تفصیل موجود ہے۔

مسلمہ بن قاسم قرطبی رحمہ اللہ کی تالیف علمی حلقہ میں صلہ کے نام سے معروف ہے کیونکہ اس کی حیثیت بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر کے ذیل کی سی ہے، اس تالیف میں مسلمہ بن قاسم نے امام طحاوی کا نسب نامہ بتفصیل ذیل نقل کیا ہے۔

ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمہ بن عبدالملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب الازدی الحجری المصری الحنفی المحدث الفقیہ الحافظ،

بیان نسب کے سلسلے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ سلیم تک اور ابن خلکان، عبد الملک تک وضاحت کر چکے ہیں۔

ولادت کے باب میں مختلف بیانات ہیں، ابن عساکر بروایت ابن یونس ۲۳۹ھ سال ولادت بیان فرماتے ہیں، امام ذہبی اور ابوالمحاسن بھی اسی طرف ہیں مگر نخب الافکار میں علامہ عینی کا ارشاد ہے کہ:-

> سمعانی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی کی ولادت ۲۲۹ھ میں ہوئی یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ ابوسعید بن یونس کا بیان ہے کہ امام طحاوی ؒ نے فرمایا کہ میری ولادت کا سال ۲۲۹ھ ہے۔

یہ ارشاد حافظ ابن عساکر کے مذکورہ بالا ارشاد سے مختلف ہے جس کو وہ بھی بروایت ابن یونس بیان فرما رہے ہیں۔ دقت یہ ہے کہ تاریخ ابن یونس ان گم شدہ تاریخوں میں ہے جن کا بطور خود ہم کو سراغ نہ مل سکا۔ اتنی بات تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں حضرات میں سے کسی ایک کو مغالطہ لگ رہا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ دوسرا بیان مصنف ؒ کے اپنے قلم سے قلم بند ہوا ہے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ:-

> امام طحاوی کی ولادت ۲۳۸ھ میں ہوئی۔ اور ابوسعید سمعانی ؒ کا بیان ہے کہ ۲۲۹ھ میں ہوئی، یہی تاریخ

درست ہے، دوسرے حضرات نے اتنی وضاحت اور کی ہے کہ ربیع الاول کی دس تاریخ اور شب یکشنبہ تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:-

ابو جعفر طحاوی (وادی نیل کے ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے) صاحب فقہ، حنفی المسلک، بہت سی مفید اور بیش قرار تالیفات کے مؤلف، ثبوت وثقاہت اور حفظ میں مقام بلند رکھتے ہیں، امام مزنیؒ کے بھانجے ہیں۔ ابو سعید سمعانی کے بیان کے بموجب ۲۲۹ھ میں ولادت ہوئی۔ اس لحاظ سے نوّے سال سے بھی زائد عمر پائی واللہ اعلم

حافظ ابن نقطہ نے التقیید لمعرفۃ رواۃ المسانید میں یہی سال بیان کیا ہے، یہی حافظ ابن کثیرؒ کے بیان سے ثابت ہوچکا علامہ عینی مزید فرماتے ہیں۔

اس لحاظ سے امام بخاریؒ کی وفات کے وقت امام طحاوی کا سن ستائیس برس کا رہا ہوگا، بخاری نے ۲۵۶ھ میں سفر آخرت اختیار فرمایا، امام مسلمؒ کی وفات کے وقت طحاوی کی عمر بتیس برس تک آگئی ہوگی

امام مسلمؒ نے ۲۶۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، کچھ

مشائخ حدیث ایسے بھی ہیں کہ جن سے روایت کے سلسلے میں طحاوی اور مسلم دوش بدوش ہیں، امام ابوداؤد کی وفات کے وقت طحاوی عمر کی چھیالیس منزلیں طے کر چکے تھے، ابوداؤدؒ کی وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ روایت کے سلسلے میں یہ دونوں حضرات بھی شریک ہیں، امام ترمذیؒ کی وفات کے وقت طحاوی نصف صدی کا مرحلہ طے کر چکے ہوں گے ترمذی نے ۲۷۹ھ میں عالم آب وگل سے رشتۂ حیات منقطع کیا امام نسائیؒ کی وفات کے وقت طحاوی عمر مبارک کے چوہتر قافلوں کو دیکھ چکے تھے، نسائی کی وفات چوتھی صدی کے تین سال گذر جانے پر ہوئی، نسائیؒ وطحاوی شریکِ روایت بھی ہیں اور طحاوی ان سے روایت بھی کرتے ہیں، ابن ماجہ کی وفات کے وقت طحاوی عمر کی چالیس بہاریں دیکھ چکے تھے، ابن ماجہ نے ۲۷۳ھ میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ اور طحاوی بھی بعض شیوخ سے روایت میں مشترک ہیں، امام احمد رحمہ اللہ کی وفات کے وقت طحاوی صرف بارہ برس تک آسکے تھے، امام احمد نے ۲۴۱ھ میں سفرِ آخرت فرمایا یحییٰ ابن معینؒ کی وفات کے وقت طحاوی صرف چار سال کے بچے تھے، ابن معینؒ نے ۲۳۳ھ میں دنیا کو وداع کہا، یہ تمام تقویم طحاوی کی صحیح تاریخ ولادت ۲۲۹ھ کے مطابق ہی بن سکتی ہے۔

حافظ محمد بن عبدالغنی ابن ابی بکر بن نقطہ بغدادی نے اپنی تالیف التقیید لمعرفۃ رواۃ المسانید میں بذیل باب الاحمدین، طحاوی کے حالات میں

اس سنہ ولادت کی وضاحت کی ہے۔

تم نے دیکھا کہ طحاوی نے حفاظ کبار ائمہ کا زمانہ پایا اور کچھ ائمہ تو ایسے بھی ہیں کہ وہ اور طحاوی شریک روایت ہیں۔

طحاوی کے مشائخ میں ہارون بن سعید ایلی رح بھی ہیں اور ہارون سے مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ روایت کر رہے ہیں۔

الکمال میں حافظ عبدالغنی مقدسی ہارون بن سعیدؒ کے حالات میں فرماتے ہیں کہ ان سے مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابوحاتم رحمہم اللہ روایت کر رہے ہیں۔

طحاوی کے مشائخ میں ربیع بن سلیمان جیزی بھی ہیں اور ان سے ابوداؤد اور نسائی بھی روایت کر رہے ہیں۔

حافظ عبدالغنی الکمال میں فرماتے ہیں کہ:۔

ربیع بن سلیمان اعرج جیزی مصری، ان سے ابوداؤد، نسائی، عبداللہ ابن حمدان اور طحاوی روایت کر رہے ہیں۔

آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں:۔

آگے چل کر اثنائے کتاب میں ان مشائخ طحاوی کے تذکرہ کے وقت جن سے طحاوی نے روایت وکتابت کی ہے معلوم ہوگا کہ اس طرح کا معاملہ کافی ہے[1]۔

---

[1] یعنی اکابر ائمہ حدیث اور امام طحاوی بہت سے شیوخ کے یہاں "ہم مکتب و ہم دبستاں" ملیں گے ۱۲ مترجم

شیوخ، تلامیذ اور رواۃ:- عبدالعزیز بن ابی طاہر تمیمی نے ایک تالیف میں طحاوی کے شیوخ کو یکجا کر دیا ہے۔ امام مزنی، امام طحاوی کے ماموں ہیں، طحاوی نے ان سے بکثرت سماعت حدیث کی اور انھیں سے سنن شافعی کی روایت کرتے ہیں،

ابن یونس فرماتے ہیں:-

طحاوی نے اپنے ماموں مزنی سے بکثرت روایت و سماعت کی انھیں سے مسند شافعی کی روایت کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:-

طحاوی کی تمام تصانیف میں عموماً اور معانی الآثار میں خصوصاً مزنی سے بکثرت روایت ہے، آج تک بالعموم جو حضرات مسند شافعی کی روایت کرتے ہیں وہ طحاوی کے طریق ہی سے کرتے ہیں

امام شافعی کی وہ روایات جن کا تعلق طریق طحاوی سے ہے، یہی وہ روایات ہیں جن کو طحاوی نے اپنی مسموعہ روایات سے جمع کیا ہے یہ امام شافعی کی وہ روایات ہیں جو طحاوی نے بطریق مزنی پائی ہیں یہ مجموعہ سنن شافعی اور سنن طحاوی کے نام سے معروف ہے، اس کے چند نسخے غایت صحت کے ساتھ موجود ہیں جن پر درجہ بدرجہ آثار سماعت مرتسم ہیں، ایک نسخہ آستانہ (ترکی) کے کتب خانہ ایا صوفیا میں محفوظ ہے، مطبوعہ نسخہ بھی قابل لحاظ ہے۔ البتہ ابن مطر نیشاپوری نے جو اپنی مسموعات جمع کی ہیں جن کو ابوالعباس اصم صاحب الربیع

المرادی بطریق ربیع امام شافعی سے روایت کرتے ہیں یہ وہی روایات ہیں جو کتاب الام میں موجود ہیں۔ ان روایات کے باب میں اصلاح و تہذیب کی ازبس ضرورت تھی چنانچہ حافظ محمد عابد سندی نے بنام ترتیب مسند شافعی یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیدیا ہے، پوری کتاب مرتب فرما کر مکررات کو حذف کردیا ہے، جی چاہتا ہے کہ اہل خیر میں سے کوئی صاحب اس کی اشاعت کا بار اُٹھالیں تاکہ عام استفادہ کی صورت نکل آئے۔ ابوالعباس اصم کی روایت سے ہندوستان اور مصر میں مسند شافعی کی جو طباعت ہوئی ہے قابل افسوس اغلاط سے پُر ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ تاریخ ابن عساکر میں امام طحاوی کے سوانح کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

امام طحاوی نے ہارون بن سعید ایلی، ابوشریح محمد بن زکریا کاتب عمری، ابوعثمان سعید بن بشر بن مروان رقی، ربیع بن سلیمان جیزی ابوحارث احمد بن سعید فہری، علی بن معبد بن نوح، عیسیٰ بن ابراہیم غافقی، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابو قرہ محمد بن حمید رعینی، مالک بن عبداللہ تجیبی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، ابراہیم بن منقذ خولانی، ابراہیم ابن مرزوق، بحر بن نصر خولانی، سلیمان بن شعیب کیسانی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات سے سماعت فرمائی۔

ابن عساکرؒ امام نسائیؒ کے سوانح کے ذیل میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ نے نسائیؒ سے روایت فرمائی۔ ابوسعید بن یونس کا بیان سنئے

"امام طحاوی نے خود مصر کے بہت سے حضرات اور باہر سے آنے والوں سے روایت کی چنانچہ سلیمان بن شعیب کیسانی، ابوموسیٰ یونس بن عبدالاعلےٰ صدفی کے نام قابل ذکر ہیں"

علامہ عینی فرماتے ہیں:-

"ابو موسیٰ یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی سے روایت کا شرف پانے میں طحاوی اور مسلم دوش بدوش ہیں"

عبدالغنی رح کمال میں فرماتے ہیں:-

"یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی مصری، ان سے ابوزرعہ، ابو حاتم، ان کے فرزند عبدالرحمٰن، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی روایت کر رہے ہیں"

خود امام طحاوی رحمہ اللہ سے بہت سے حضرات نے روایت کی ان میں بعض اہل علم ایسے بھی ہیں جو خاص طور پر تالیفاً ایک کتاب کی روایت کرتے ہیں، چنانچہ ابوالحسن علی بن احمد طحاوی، ابو محمد عبدالعزیز بن محمد تمیمی، ابو بکر مکی بن احمد بن سعدویہ بروعی، ابوالقاسم مسلمہ بن قاسم بن ابراہیم قرطبی، ابوالقاسم عبیداللہ بن علی داؤدی (یہ اپنے زمانہ میں ارباب ظواہر کے شیخ سمجھے جاتے تھے) حسن بن قاسم بن عبدالرحمٰن ابو محمد مصری، ابن ابی العوام قاضی کبیر، ابوالحسن محمد ابن احمد اخمیمی، میمون بن حمزہ عبیدلی، یوسف بن قاسم میانجی، احمد بن عبدالوارث زجاج، محمد بن بکر بن مطروح، ابوبکر احمد بن محمد بن منصور دامغانی انصاری القاضی، ابوسلیمان محمد بن عبداللہ بن زبیر قابل ذکر ہیں۔

مشائخ عظام جنھوں نے امام طحاوی سے روایت کی ان میں یہ نام

قابل لحاظ ہیں:۔

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی صاحب معجم، حافظ ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس مصری صاحب تاریخ، حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن حسین بغدادی معروف بغندر، حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی مقری (انھوں نے امام طحاوی سے معانی آثار کی سماعت کی۔ بروایت اسانید رواۃ) حافظ احمد بن قاسم بن عبداللہ بغدادی معروف بابن خشاب، حافظ محمد بن مظفر بن موسیٰ ابوالحسین بغدادی (انھوں نے امام طحاوی سے بروایت اسماعیل بن یحییٰ مزنی مصر میں سنن شافعی کی سماعت کی جیساکہ علامہ عینی، حافظ ابن نقطہ کے حوالہ سے بیان کررہے ہیں)

شیوخ طحاوی

الف

۱۔ ابراہیم بن ابی داؤد برلسی

۲۔ ابراہیم بن منقذ خولانی

۳۔ ابراہیم بن محمد صیرفی

۴۔ ابراہیم بن مرزوق بصری

۵۔ ابراہیم بن علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن مغیرہ

۶۔ ابراہیم بن احمد بن مروان

۷۔ احمد بن حسن بن قاسم کوفی

۸۔ احمد بن داؤد بن موسیٰ سدوسی

۹۔ احمد بن سہل رازی

۱۰۔ احمد بن اصرم مزنی

۱۱۔ احمد بن مسعود مقدسی

۱۲۔ احمد بن سعید فہری

۱۳۔ احمد بن محمد بن حماد ابوبشر دولابی

۱۴۔ احمد بن یوسف

۱۵۔ احمد بن خالد بن یزید فارسی

۱۶۔ احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی
۱۷۔ احمد بن حماد تجیبی
۱۸۔ احمد بن محمد بن یحیٰی بن سعید قطان
۱۹۔ احمد بن محمد بن سلام بغدادی
۲۰۔ احمد بن محمد بن بشار
۲۱۔ احمد بن خلف
۲۲۔ احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب
۲۳۔ احمد بن شعیب نسائی
۲۴۔ احمد بن عبدالمومن مروزی
۲۵۔ احمد بن ابی عمران موسی بغدادی
۲۶۔ اسحاق بن ابراہیم بن یونس ورّاق بغدادی
۲۷۔ اسحاق بن اسمٰعیل ایلی
۲۸۔ اسحاق بن حسن بن حسین طحّان مروزی
۲۹۔ اسماعیل بن اسحاق بن سہل کوفی
۳۰۔ اسماعیل بن حمدویہ بکائی
۳۱۔ اسمٰعیل بن یحیی مزنی
امام طحاوی کے ماموں

ب

۳۲۔ بحر بن نصر بن سابق خولانی
۳۳۔ بکار بن قتیبہ بصری
۳۴۔ بکر بن ادریس بن حجاج بن ہارون ازدی

ج

۳۵۔ جعفر بن سلیمان بن محمد الہاشمی
۳۶۔ جعفر بن احمد بن ولید اسلمی

ح

۳۷۔ حجاج بن عمران مازنی
۳۸۔ حسن بن عبداللہ بن منصور بالسی
۳۹۔ حسن بن عبدالاعلی صنعانی
۴۰۔ حسن بن غلیب بن سعید ازدی
۴۱۔ حسین بن نصر بن مبارک بغدادی
۴۲۔ حکیم بن سیف رقی

ر

۴۳۔ ربیع بن سلیمان ازدی جیزی
۴۴ ربیع بن سلیمان مرادی
۴۵ روح بن فرج ابوالزنباع

ز

۴۶ زکریا بن یحیٰی بن ابان

س

۴۷ سعید بن بشر بن مروان رقی

۴۸ سعید بن سلیمان واسطی

۴۹ سلیمان بن شعیب کیسانی

ص

۵۰ صالح بن حکیم تمار بصری

۵۱ صالح بن شعیب بن ابان بصری

۵۲ صالح بن عبدالرحمٰن انصاری

ط

۵۳ طاہر بن عمرو بن ربیع بن طارق

ع

۵۴ عبداللہ بن محمد بن خشیش بصری

۵۵ عبداللہ بن ابی داؤد

۵۶ عبدالرحمٰن بن عمرو ابوزرعہ دمشقی

۵۷ عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم

۵۸ عبدالرحمٰن بن جارود بن عبداللہ ابن زاذان کوفی

۵۹ عبدالعزیز بن معاویہ نسائی

۶۰ عبدالملک بن مروان رقی

۶۱ عبداللہ بن احمد بن زکریا بن حارث ابن ابی میسرۃ مکی

۶۲ عبدالغنی بن رفاعہ لخمی

۶۳ عبید بن رجال مصری

۶۴ علی بن شیبہ مصری

۶۵ علی بن معبد بن نوح

۶۶ علی بن سعید بن بشر رازی

۶۷ علی بن عبدالعزیز (صاحب ابوعبید ان کے طریق سے طحاوی رح، عاصم، اعمش، حمزہ، کسائی کی قرائتیں روایت کرتے ہیں)

۶۸ علی بن احمد بن سلیمان

۶۹ علی بن حسین بن عبدالرحمٰن بن فہم

۷۰ علی بن زید فرائضی

۷۱ علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن مغیرہ علّان مخزومی

۷۲ علی بن عبدالرحمٰن انصاری

۷۳ عمران بن موسیٰ طائی

۷۴ عمر بن ابراہیم بن یحییٰ بغدادی

۷۵ عیسیٰ بن ابراہیم بن مثرود غافقی

ف

۷۶ فہد بن سلیمان مکی

ق

۷۷ قاسم بن عبیداللہ بن مہدی اخمیمی

۷۸ قاسم بن محمد بن جعفر بصری

ل

۷۹ لیث بن عبدۃ بن محمد مروزی

م

۸۰ محمد بن سلیمان بن ہشام خزاز یشکری

۸۱ مبشر بن حسن بن مبشر بصری

۸۲ محمد بن علی بن داؤد بغدادی

۸۳ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم

۸۴ محمد بن سنان شیزری

۸۵ محمد بن خزیمہ بن راشد اسدی

۸۶ محمد بن جعفر فریابی

۸۷ محمد بن عمرو بن یونس کوفی

۸۸ محمد بن حرملہ

۸۹ محمد بن احمد بن عباس رازی

۹۰ محمد بن عبداللہ بن میمون بغدادی

۹۱ محمد بن علی بن زید مکی

۹۲ محمد بن ابراہیم بن جنادہ بغدادی

۹۳ محمد بن حمید بن ہشام ابو قرہ رعینی

۹۴ محمد بن احمد کوفی ابو العلاء

۹۵ محمد بن اسماعیل بن سالم صائغ مکی

۹۶ محمد بن حجاج بن سلیمان حضرمی

۹۷ محمد بن علی بن داؤد بغدادی

۹۸ مطلب بن شعیب بن حبان ازدی

۹۹ محمد بن زکریا کاتب عمری

۱۰۰ محمد بن عبدالرحمٰن ہروی

۱۰۱ محمد بن ربیعہ مکی

۱۰۲ موسیٰ بن حسن بن عبداللہ مروزی سہیلی

۱۰۳ محمد بن عباس بن ربیع لؤلؤی

۱۰۴ محمد بن عزیز ایلی

۱۰۵ محمد بن احمد بن جعفر کوفی

۱۰۶ محمد بن بکر بن مطیر واسطی

۱۰۷ محمد بن نعمان سقطی

۱۰۸ محمد بن ہشام شیزری

۱۰۹ محمد بن حرب کشانی حمصی
۱۱۰ محمد بن عیسی بن فلیح خزاعی
۱۱۱ محمد بن عیسیٰ بن جابر رشیدی
۱۱۲ محمد بن عمرو بن تمام ابو الکردوس کلبی
۱۱۳ محمد بن زیاد بن ریان کلبی
۱۱۴ محمد بن سلیمان باغندی
۱۱۵ موسیٰ بن عیسیٰ مقری (طحاویؒ ان قرأتوں کی روایت کرتے ہیں)
۱۱۶ موسیٰ بن نعمان مکی
۱۱۷ محمد بن سلامہ طحاوی (امام کے والد ماجدؒ)
۱۱۸ محمد بن عبداللہ بن عبدالجبار مرادی
۱۱۹ محمد بن احمد بن جعفر ذہلی کوفی
۱۲۰ محمد بن جعفر بن محمد بن اعین
۱۲۱ موسیٰ بن حسن بغدادی
۱۲۲ محمد بن علی ابن یزید مکی
۱۲۳ مالک بن عبداللہ بن یوسف تجیبی
۱۲۴ محمد بن رجال
۱۲۵ محمد بن علی ابن یزید حلوانی

۱۲۶ محمد بن عبدہ مروزی
۱۲۷ مسعدہ بن خازم
۱۲۸ موسیٰ بن حسن مروزی
۱۲۹ مالک بن یحییٰ ہمدانی
۱۳۰ محمد بن علی بن محرز بغدادی
۱۳۱ محمد بن یحییٰ بن مطر بغدادی
۱۳۲ مصعب بن ابراہیم بن حمزہ زبیری

ن

۱۳۳ نصر بن حرب مسمعی
۱۳۴ نصر بن مرزوق عتقی
۱۳۵ ولید بن محمد تمیمی ابو القاسم

ھ

۱۳۶ ہارون بن کامل ابو موسیٰ مصری
۱۳۷ ہارون بن محمد عسقلانی

ی

۱۳۸ یحییٰ بن عثمان بن صالح سہمی مصری
۱۳۹ یحییٰ بن نصیر
۱۴۰ یحییٰ بن اسماعیل بغدادی ابو زکریا
۱۴۱ یوسف بن یزید
۱۴۲ یونس بن عبدالاعلیٰ

اصحابِ طحاویؒ

۱- احمد بن ابراہیم بن حماد ابو عثمان قاضی مصر
۲- احمد بن عبدالوارث زجاج
۳- احمد بن قاسم بن عبداللہ بغدادی المعروف با بن خشاب
۴- احمد بن محمد بن منصور ابو بکر انصاری دامغانی قاضی
۵- حسن بن قاسم بن عبدالرحمٰن ابو محمد مصری
۶- سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی الحافظ صاحب معاجم
۷- عبداللہ بن احمد بن زبیر ابو محمد القاضی
۸- عبداللہ بن حدید بن شُوار ابو محمد ازنی
۹- عبداللہ بن محمد بن احمد ابو القاسم المعروف با بن ابی عوام
۱۰- عبدالرحمٰن بن اسحاق جوہری قاضی مصر
۱۱- عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس ابو سعید مصری حافظ، مؤرخ
۱۲- عبدالعزیز بن محمد تمیمی جوہری قاضی صعید
۱۳ عبیداللہ بن علی داؤدی ابو القاسم (شیخ ظواہر)
۱۴- علی بن احمد بن محمد بن سلامۃ ابو الحسن طحاوی (فرزند طحاوی)
۱۵- علی بن حسین بن حرب ابو عبید قاضی مصر
۱۶- محمد بن احمد اخمیمی ابو الحسن
۱۷- محمد بن ابراہیم بن علی مقری ابو بکر (حافظ)
۱۸- محمد بن عبداللہ بن احمد بن زبیر ابو سلیمان
۱۹- محمد بن عبیدۃ ابو عبیداللہ قاضی مصر
۲۰- محمد بن جعفر بن حسین بغدادی معروف بغُندر
۲۱- ابوالفضل محمد بن عمر ترمذی
۲۲ مسلمہ ابن قاسم بن ابراہیم ابو القاسم قرطبی
۲۳ مکی بن احمد بن سعدویہ بردعی

۲۴- محمد بن مظفر بن موسیٰ بغدادی ۲۷ ہشام بن محمد بن قرۃ مصری
۲۵- میمون بن حمزۃ عبیدلی ۲۸ یوسف بن قاسم میانجی
۲۶- ہشام بن محمد بن ابی خلیفہ رعینی

شیوخ طحاوی کی گذشتہ مختصر تفصیل کی طرح غالباً اصحاب وتلامذہ کے باب میں یہ چند اسماء اندازے کے لئے کافی ہیں۔

طحاوی رحمہ اللہ اور اہل نظر

علامہ عینی نخب الافکار میں فرماتے ہیں:-

"امام طحاوی ؒ کی ثقاہت، دیانت، امانت، فضیلت کاملہ اور علم حدیث میں ید طولیٰ اور حدیث کے ناسخ و منسوخ کی مہارت پر اجماع ہو چکا ہے، امام طحاوی کے بعد کوئی ان کا مقام پُر نہ کرسکا"

امام طحاوی کے باب میں اسلاف و اخلاف نے جو کچھ فرمایا اس سے امام کا مقام خوب روشن ہو جاتا ہے۔ ابو سعید بن یونس تاریخ علماء مصر میں امام کے سوانح کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

طحاوی صاحب ثقاہت و فقہ ہونے کے ساتھ بلا کی نظر بھی رکھتے تھے، ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوا۔

حافظ ابن عساکر ؒ کے ارشاد کا ماحصل بھی یہی ہے، مسلمہ بن قاسم

قرطبی رح الصلۃ میں فرماتے ہیں :-

امام طحاوی ثقہ تھے، جلیل القدر تھے، فقیہ تھے، علماء کے اختلافی مسائل اور تصنیف و تالیف میں صاحب بصیرت تھے (آگے ابن احمر کا مقولہ نقل کیا ہے اس کو آگے ہم خود بیان کر رہے ہیں)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں :-

طحاوی حنفی المسلک ہونے کے باوجود تمام فقہی مذاہب پر نظر رکھتے تھے۔

تاج التراجم کا بیان ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں فرمایا۔

"تمام فقہی مذاہب پر دسترس ہونے کے ساتھ ساتھ امام طحاوی اہل کوفہ (احناف) کے احوال و مسائل کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔"

حافظ سمعانی رح فرماتے ہیں :-

"طحاوی صاحب ثقاہت و ثبوت تھے۔"

ابن جوزی رح منتظم میں فرماتے ہیں :-

"طحاوی ثقہ، ثبت، فہیم و فقیہ تھے، طحا وادی نیل کا ایک گاؤں ہے۔"

سبط ابن جوزی مرآۃ الزمان میں مذکورہ بالا جملہ دہرانے کے بعد فرماتے ہیں

"طحاوی رح کے فضل، صدق، زہد، ورع پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔"

علامہ ذہبی کے الفاظ تاریخ کبیر میں یہ ہیں :-

"فقیہ، محدث، حافظ، زبردست امام، ثقہ، ثبت اور ذی فہم"

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں طحاوی کے سوانح کے ذیل میں فرماتے ہیں :-

طحاوی ان حضرات میں سے ہیں جن کی ثقاہت، ثبوت اور حفظ مسلّم ہے
یافعی رح فرماتے ہیں:-
طحاوی نے فقہ و حدیث میں درجۂ کمال پایا اور بہت سی مفید تصانیف یادگار چھوڑیں۔
علامہ سیوطی رح کے الفاظ یہ ہیں:-
الامام، العلامۃ، الحافظ، صاحب تصانیف، ثقۃ، ثبت، فقیہ، ان کے بعد کوئی ان جیسا نہ ہوا۔
علامہ عینی بہت سے حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-
ارباب حدیث ہوں یا ارباب تاریخ، طحاوی کا جس نے بھی ذکر کیا ہے خراج تحسین ادا کیا ہے، چنانچہ طبرانی، ابو بکر خطیب، حمیدی، حافظ ابن عساکر وغیرہم حضرات متقدمین کے ساتھ حافظ ابوالحجاج مزی، حافظ ذہبی، ابن کثیر وغیرہم جیسے حضرات متاخرین اہل قلم کا یہی معاملہ ہے۔
کسی سمجھ دار آدمی کو اس باب میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ احادیث نبویہ اور قرآن پاک سے استنباط احکام کے سلسلے میں (طحاوی نے) ثبوت فی العلم کا ثبوت دیا، اصحاب صحاح و سنن میں جو حضرات طحاوی کے شریک روایت ہیں یا جو مرتبہ عمر، ہم عناں ہیں ان سب سے طحاوی فقہ میں گوئے سبقت لے گئے، یہ بات خود امام طحاوی کے کلام اور ان حضرات کے کلام پر غائرانہ نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے اس کی تائید ان تمام تصانیف سے ہوتی ہے جو علوم نقلیہ و عقلیہ کے

مختلف گوشوں پر طحاوی کی یادگار ہیں ۔جہاں تک روایت حدیث معرفتِ حدیث اور شیوخ کی کثرت کا تعلق ہے اس کے بارے میں امام طحاوی کی عظمت ، ثبوت ، ثقاہت ، حجت بخاری و مسلم جیسے اصحاب صحاح وسنن کے ہم پایہ ہے ، طحاوی کی وسعت روایت اور اس باب میں ائمہ سے مشارکت اس کا کھلا ثبوت ہے ۔

اب رہ جاتا ہے امام طحاوی کی تصانیف کا مسئلہ ، امام کی تصانیف بلا استثنا ر ایک سے ایک بہتر اور نفع بخش ہیں خصوصًا معانی الآثار ایک صاف دل انسان جب بھی اس پر نظر ڈالے گا بلا تامل بہت سی ان احادیث کتب پر ترجیح دے گا جو اس وقت مشہور و متداول ہیں اور امام کے کلام و ترتیب میں اک گونہ فوقیت صاف عیاں ہو کر رہے گی اس باب میں اگر کسی کو شک کی گنجایش ہے تو صرف ایسے آدمی کو جو عناد یا تعصب سے کام لے رہا ہو ۔

سنن ابی داؤد ، ترمذی یا ابن ماجہ وغیرہ جیسی کتابوں پر معانی الآثار کی فوقیت بالکل صاف ظاہر ہے کوئی بھی عقلمند آدمی اس باب میں شک نہیں کر سکتا جہل کا کیا علاج ہے ؟ معانی الآثار کی یہ فوقیت ، وجوہ استنباط کی وضاحت ، وجوہ معارضات کی تفصیل اور ناسخ و منسوخ کے باہمی تمیز وغیرہ جیسے امور پر مبنی ہے ، یہی چیزیں اصل ہیں حدیث کی معرفت کے سلسلے میں انھیں سے کام چلتا ہے جبکہ مذکورہ بالا کتابوں میں یہ چیزیں اس طرح نہ ہو سکیں جس طرح ہونی تھیں ، اس کو

تم خود دیکھ سکتے ہو۔

اگر کوئی یہ سوال اُٹھائے کہ معانی الآثار اس بنا پر نا قابل اعتنا ہے کہ اس کے رجال اسناد میں کچھ لوگ کمزور یا ساقط ہیں تو سیدھا جواب یہ ہے کہ سنن مذکورہ کا دامن بھی اس سلسلے میں پاک نہیں ہے بلکہ کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ ان میں باطل اور موضوعہ احادیث بھی موجود ہیں اور احادیث ضعیفہ کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

سنن دارقطنی، دارمی یا بیہقی جیسی کتابیں تو معانی الآثار کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں، ان سے تو موازنہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

معانی الآثار کی فوقیت اب تک لوگوں کی نظر سے اس لئے پوشیدہ رہی کہ خود کتاب سامنے نہ تھی نہ ایسی کوئی شخصیت سامنے آئی جو اس کے نوادر کی نقاب کشائی کرتی ، اس کے عجائب کا پتہ دے سکتی۔ یہ کتاب منصۂ شہود پر آنے کے بجائے بہت دیر تک پردہ میں رہی، اور ایسا وقت آگیا تھا کہ علمی دُنیا کا یہ آفتاب بالکل غروب ہوجائے، اس کا سبب صرف یہ ہے کہ متاخرین کے فہم نے کوتاہی کی اور ان سے کتاب چھوٹ گئی، یہ حضرات لایعنی کتابوں میں لگے رہے اور متعصب مخالفین آگے بڑھتے رہے، ان کی کوشش تھی کہ معانی الآثار سامنے نہ آئے مگر اللہ تعالٰے نے حق کو حق اور باطل کو باطل کردیا کہ کچھ حضرات کو توفیق دی کہ وہ اس کا حق ادا کریں اور اس کے محاسن و معالم کو اُجاگر کریں، جیسے ہی یہ عمل ہوا کہ کتاب کی فضیلت سامنے آگئی الخ

یہ چند علماء کے ارشادات تھے جو طحاوی کے باب میں بے ساختہ زبانوں پر آگئے۔

طحاویؒ کا انقلاب

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی کا شمار امام شافعی رحمہ اللہ کے سربر آوردہ اصحاب میں ہوتا ہے، ذہن و ذکاوت کے لحاظ سے پورے حلقے میں ممتاز تھے یہ طحاوی رحمہ اللہ کے ماموں تھے، چنانچہ طحاوی نے ابتدائی نشو ونما کے زمانے میں ماموں ہی سے فقہ حاصل کرنا شروع کیا، تفقہ میں جتنا آگے بڑھ رہے تھے اتنا ہی انقلاب سے دوچار ہو رہے تھے، اصل و فرع میں مد و جزر کی مدافعت اقدام و احجام کا معاملہ، نقض و ابرام کی صورت، قدیم و جدید کی تقسیم، ایک عجیب کیفیت تھی، ادھر ماموں کے پاس وہ سامان نہ تھا جس سے طحاوی کی تشنگی دور ہو سکتی۔ آخر اس کی جستجو ہوئی کہ مسائل خلافیہ میں ماموں جان کیا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کثرت سے فقہ حنفی کا مطالعہ کرتے ہیں اور بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مسلک سے الگ ہو کر امام اعظم کے ارشاد سے ملتا جلتا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں اور اس طرح کے تمام مسائل ایک ذاتی یادداشت (مختصر) میں

جمع کر لیتے ہیں۔ اب طحاوی نے بطور خود عراقی اسلوب فقہ کا مطالعہ شروع کیا دل کو بھا گیا۔ اس کے بعد امام طحاوی نے باقاعدہ احمد بن ابی عمران سے فقہ حنفی حاصل کرنا شروع کیا، احمد بن ابی عمران عراق سے تشریف لائے تھے۔ اس سے پہلے طحاوی بکار بن قتیبہ کی وہ تردید ملاحظہ کر چکے تھے جو مزنی کے سلسلے میں کی گئی تھی یہی وہ موڑ ہے جہاں سے طحاوی پرانی راہ، مسلک شافعی کو خیرباد کہتے ہوئے نئی راہ مسلک حنفی پر گامزن نظر آتے ہیں۔

اس تبدیلی پر ایک فتنہ برپا ہو گیا اور فتنہ کے گرد کچھ کہانیاں بھی بن گئیں تم بھی سن لو، جو درست ہوئے لینا۔ ان روایات میں سب سے مشہور وہ روایت ہے جسے ابو اسحاق شیرازی رحمہ اللہ نے طبقات الفقہاء میں بیان کیا ہے۔ شیرازی کے الفاظ یہ ہیں:۔

مصر میں امام ابو جعفر طحاوی رح حلقہ احناف کے گل سرسبد تھے، طحاوی نے ابو جعفر احمد بن ابی عمران اور ابو خازم وغیرہما سے اکتساب علم کیا، اول اول شافعی المسلک تھے اور مزنی سے علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ ایک روز مزنی رحمہ اللہ کی زبان سے نکل گیا کہ بخدا تم کو کچھ نہ آیا۔ طحاوی رحمہ اللہ کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور (ان کو چھوڑ کر) ابن ابی عمران کی درسگاہ میں آ رہے، جب طحاوی رح نے (حصول علم کے بعد) مختصر تالیف کی تو فرمایا کہ اگر ابو ابراہیم زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

شیرازی رح کا یہ بیان بلا سند ہے[۱۵]، نیز تم کو کچھ نہ آیا والا جاء صیغہ ماضی

[۱۵] اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیان صمیری کے بیان پر مبنی ہے اور صمیری اس کی روایت (باقی بر ص ۳۵)

ہے اور زمانہ ماضی پر قسم کھانا یا "یمین غموس" ہے یا "یمین لغو" ہے جس پر مزنی کے مسلک کے مطابق وجوب کفارہ نہیں ہے (نیز مزنی کے ارشاد میں) شئیٌ کا مطلب قرینہ مقام کے لحاظ سے یہ ہے کہ شی کی اتنی مقدار کہ علمی طور پر جس کا کوئی وزن ہو سکے فالحاصل انجاء منك شئ يعتد به لانفي مطلق الشئ منه

طحاوی کا مقام اس سے بدرجہا بلند ہے کہ اتنا بھی نہ معلوم ہو کہ دونوں مذاہب کے مطابق حلف علی الماضی کا حکم کیا ہے؟ اس لئے یہ روایت ایسی ہے کہ خود اپنے دامن میں سامان تکذیب لئے ہوئے ہے۔

اب سلفی کی روایت لیجئے جس کو وہ معجم شیوخ میں بروایت احمد بن عبد المنعم الآمدی عن ابن علی الدامغانی عن القدوری بیان کرتے ہیں کہ مزنی نے ایک روز طحاوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

بخدا تم کامیاب نہ ہو سکے! اس پر طحاوی غضب ناک ہو کر ان کے یہاں سے اٹھ آئے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق علم فقہ حاصل کرنے لگے، بعد میں طحاوی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم پر رحم فرمائیں اگر آج ہوتے اور مجھے دیکھتے تو قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

یہاں بھی مزنی کے بیان میں صیغہ ماضی ہے اس لئے دونوں مذاہب کے

(بقیہ حاشیہ ص۳۴) ابو بکر محمد بن موسیٰ خوارزمی سے کر رہے ہیں ابو بکر کی وفات ۴۰۳ھ میں ہوئی۔ اُن کو نہ ذاتی طور پر طحاوی سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اور نہ کسی ایسی شخصیت سے ملاقات ہے جس نے طحاوی کا زمانہ پایا ہو اس لئے اس روایت کی کمزوری ظاہر ہے۔

مطابق حلف علی الماضی کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ حکایت بھی منقطع ہے کیوں کہ قدوری اور طحاوی کے مابین انقطاع ہے۔ ابن عساکر کا بیان تاریخ میں یہ ہے کہ:۔

مجھے معلوم ہوا کہ طحاوی رح نے اس بنا پر شافعی مسلک کو خیر باد کہا کہ ایک روز مزنی کے درس میں انھوں نے کسی مسئلہ کے باب میں کچھ کہدیا، مزنی کے منہ سے نکل گیا کہ خدا کی قسم تم کبھی کامیاب نہ ہوسکوگے۔ طحاوی رح اس پر برہم ہو کر چلے آئے اور ابو جعفر بن ابی عمران کے یہاں آنے جانے لگے حنفی مسلک اپنا لیا پھر اس کے گل سرسبد سمجھے جانے لگے، ایک مدت بعد مزنی کے مزار سے گذرے تو فرمانے لگے ابو ابراہیم! اللہ تعالےٰ تم پر رحم کریں اگر تم آج زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مزنی رحمہ اللہ نے بصیغہ مستقبل قسم کھائی تھی مگر یاد رہے کہ یہ حکایت بلا سند ہے کیوں کہ ابن عساکر خود کہہ رہے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے، کہاں سے معلوم ہوا ہے؟؟؟

ابن عساکر کا دوسرا بیان یہ ہے:۔

میں نے بروایت[1] ابو سلیمان بن زبر سنا کہ طحاوی نے بیان فرمایا کہ میں نے

---

[1] ابن عساکر کے اصل الفاظ یہ ہیں قرأتُ علی ابی محمد السلمی عن عبد العزیز بن احمد قال قرأتُ علی ابی الحسین علی بن موسیٰ بن الحسین السمسمار قال قال لنا ابو سلیمان بن زبر قال قال لی ابو جعفر الطحاوی الخ

سب سے پہلے جن صاحب سے احادیث لکھیں وہ مزنی ہیں، میں نے
امام شافعی کے مسلک کو اپنایا، چند سال بعد احمد بن ابی عمران مصر
کے قاضی مقرر ہوکر آئے تو ان کی صحبت مجھکو نصیب ہوئی میں نے
انھیں کا مسلک اپنا لیا یہ اہل کوفہ کے مسلک کے آدمی تھے اس
طرح پہلا مسلک چھوٹ گیا، میں نے خواب میں مزنی کو دیکھا فرماتے تھے
طحاوی تم کو ابوجعفر نے چھین لیا، طحاوی تم کو ابوجعفر نے چھین لیا"
اس بیان میں حلف کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے ؛

ابویعلیٰ خلیلی بروایت محمد بن احمد شروطیؒ ارشاد میں بیان کرتے ہیں کہ :-
انھوں نے امام طحاویؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں کا مسلک،
کیوں ترک کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کیوں اختیار کیا؟ فرمایا
اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں دیکھتا تھا کہ میرے ماموں امام اعظم کی کتابوں
(فقہ) کا مسلسل مطالعہ فرماتے ہیں اس لئے میں نے بھی یہی مسلک
اختیار کر لیا۔

علامہ عینی اور ابن خلکان کی نقل کردہ روایت کے مطابق واقعہ یہی تھا
یعنی (امام فرماتے ہیں) کہ اس کے بعد میں نے خود ان کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ
کیا اور بالآخر مجھ پر اسی مسلک کی راہیں کشادہ ہوگئیں جس طرح بہت سے
مسائل میں میرے ماموں بھی انھیں کتابوں کی وجہ سے مسلک مذکور کی جانب
مائل ہو چکے تھے جیسا کہ مختصر المزنی اور ایسے بہت سے مسائل سے یہ حقیقت
واشگاف ہو جاتی ہے جن میں ماموں جان نے امام شافعیؒ کی مخالفت فرمائی ہے

امام طحاوی رح کی تبدیلی کے باب میں خود ان کا بیان کردہ سبب قابل پذیرائی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی روایات ہیں ان میں سے ہر ایک جیسا کہ بیان ہو چکا متن اور سند کی کمزوری سے خالی نہیں ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد قارئین کو حق ہے کہ جس روایت پر اطمینان ہو اسی کو اختیار کرلیں۔

خاص طور پر یہاں ایک حقیقت قابل لحاظ ہے کہ ابن ابی عمران کے متعلق کہا جاتا ہے کہ طحاوی نے اپنے ماموں کی مجلس درس کو خیر باد کہنے کے بعد ان کی مجلس میں آمد و رفت شروع کی تھی، حالانکہ ابن ابی عمران مصر کے قاضی اس وقت بنائے گئے تھے جب قاضی بکار رح[1] کا وصال ہو گیا۔ قاضی بکار رح کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی ہے یعنی مزنی کی وفات سے چھ سال بعد کیوں کہ مزنی کا سال وفات ۲۶۴ھ ہے، ذہبی تذکرۃ الحفاظ (۳ - ۲۹) میں فرماتے ہیں

---

[1] قاضی بکار رحمہ اللہ کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے کہ احمد بن طولون مقررہ وظیفہ کے علاوہ قاضی موصوف کو ایک ہزار سالانہ دینار دیا کرتا تھا۔ قاضی بکار اس رقم کو جوں کا توں چھوڑ دیتے تھے، جب ابن طولون نے چاہا کہ ابن بکار رحمہ اللہ الموفق کی ولایت عہد فسخ کر دیں تو انھوں نے انکار کیا، اس پر اُن کو قید کر دیا گیا اور عطیہ سالانہ کا مطالبہ کیا گیا، قاضی بکار رحمہ اللہ نے یہ پوری رقم سربمہر واپس کر دی یہ اٹھارہ تھیلیاں تھیں اور ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے، چونکہ یہ واقعہ بھری مجلس میں ہوا تھا اس لئے ابن طولون کو سخت ندامت ہوئی۔ ابو المحاسن فرماتے ہیں کہ یہ وہ قاضی ہے کہ جن کا مقام جنت ہے جب تک قاضی بکار نظر بند رہے یعنی وصال تک ان کی جگہ کسی کو قاضی مقرر نہیں کیا گیا بلکہ محمد بن شاذان جوہری

"ابن ابی عمران[1] حنفی، قاضی بکار کے بعد مصر کے قاضی مقرر کئے گئے"۔

حافظ ابو سلیمان بن زبر رحمہ اللہ اصحاب طحاوی میں بڑا ممتاز مقام رکھتے ہیں اسبق میں سند کے ساتھ ان کی بیان کردہ صورت حال کی وضاحت ہو چکی، اس لئے ان کی اور شیرو طی کی روایت پر اعتماد کیا جائے گا کیونکہ یہ دونوں حضرات جو کچھ بیان فرمار ہے ہیں براہ راست طحاوی سے بیان فرمار ہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن حجرؒ لسان میں فرماتے ہیں:۔

طحاوی ابتداء میں شافعی المسلک تھے، پھر اپنے ماموں مزنی سے ناچاقی کی وجہ سے حنفی مسلک کے ہو رہے تھے، ہوا یہ کہ طحاوی اپنے ماموں کے سامنے قرأت کر رہے تھے (دوران قرأت) ایک دقت طلب مسئلہ گذرا طحاوی سمجھ نہ سکے، مزنی نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح سمجھ لیں مگر طحاوی کی سمجھ میں مسئلہ نہ آنا تھا نہ آیا، دل تنگ ہو کر مزنی کو غصہ آگیا اور فرمادیا کہ بخدا تم کو کچھ نہ آیا۔ طحاوی یہ سنتے ہی مزنی کے یہاں سے اُٹھ کر ابو جعفر بن ابی عمران کی مجلس میں آگئے، ابن ابی عمران، قاضی بکار کے بعد مصر کے قاضی مقرر کئے گئے تھے، طحاوی نے ان سے فقہ حاصل کیا اور انھیں کے ہو رہے۔ بعد میں وہی حالات رونما ہوئے جن کا ہونا لابدی تھا۔

ابن حجر نے آگے چل کر وہی بات دہرائی ہے جو ابو اسحاق شیرازی نے طبقات میں دہرائی ہے یعنی طحاوی ؒ نے مختصر کی تالیف کے بعد فرمایا:۔

---

[1] حاشیہ صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیں

"اگر مزنی زندہ ہوتے تو اپنے قسم کا کفارہ ادا کرتے"۔

پھر ابن حجر خود ہی اس کی شرح فرماتے ہیں۔

طحاوی کی مراد یہ تھی کہ مزنی نے یہ قسم کھائی تھی کہ تم سے کچھ نہ آئے گا۔ یعنی طحاوی نے صیغۂ ماضی کو صیغۂ مستقبل سے بدل دیا۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے:۔

بعض ائمہ نے اس پر یہ ریمارک کیا ہے کہ اس قسم پر مزنی کے ذمہ کوئی کفارہ واجب نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کا یہ فرمانا غلبہ اندازہ کے مطابق تھا۔ طحاوی کی جانب سے یہ جواب ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مبالغہ کے طور پر ایسا کہدیا ہو۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ ایسی صورت میں کفارہ مستحب ہے اگرچہ وجوبًا نہ ہو۔ ایسی بات طحاوی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی مگر میں نے منذری کے قلم سے لکھی ہوئی یہ تحریر دیکھی

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صٓ۲۷) سلہ ابوجعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ اسم گرامی اور کنیت، الامام، الفقیہ لقب، البغدادی نسبت ہے، سرزمین مصر کے قاضی رہ چکے ہیں، اکابر احناف میں شمار ہوتا ہے، فقہ محمد بن سماعۃ سے حاصل کیا۔ عاصم بن علی کے علاوہ ایک بہت بڑی جماعت سے روایت حدیث کرتے ہیں، خود ان سے بھی بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔ ان کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ طحاوی جیسے اہل نظر کے استاذ ہیں محرم الحرام ۲۸۵ھ مصر ہی میں وفات پائی، ابن یونس ان کی توثیق کرتے ہیں (تاریخ ابن یونس بحوالہ حسن المحاضرۃ للسیوطی) قاضی ابن عمران کی ایک کتاب الحجج بھی ہے ۱۲

ہے کہ طحاوی نے یہ بات صرف مزنی پر طنز کرنے کے لئے کہی تھی بعض فقہاء نے طحاوی کو یہ جواب دیا ہے کہ مزنی کی قسم بالکل نہیں ٹوٹی کیوں کہ جس نے اصحاب حدیث کا مسلک چھوڑا اور اہل الرای کا مسلک اپنایا وہ فلاح یاب نہیں ہو سکتا!

ذرا حافظ ابن حجرؒ کا انداز دیکھو، اس طرح کا انداز تصرف اپنے دامن میں عبرت کا بہت سامان لئے ہوتا ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ہر شخص جانتا ہے کہ فطری غباوت، علمی ممارست کی وجہ سے ذکاوت اور تیزی طبع سے نہیں بدل جاتی، طحاوی کی تمام کتابیں فطری ذکاوت کا زندہ ثبوت ہیں، ان کتابوں کا مصنف ایسا گیا گذرا نہیں ہو سکتا کہ ایک مسئلہ کے باب میں انتہائی کوشش کے باوجود بھی کچھ نہ سمجھ سکے۔ یہ بھی تو چنداں مستبعد نہیں ہے کہ مزنی نے مسئلہ ہی اس طرح بیان کیا ہو کہ طحاوی جیسے انسان کی ذکاوت طبع نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔

نیز مزنی ان حضرات میں سے ہیں جن کو اپنے عظیم المرتبہ، ذکی الفطرت امام سے کشادہ روئی اور طلبہ کے سامنے قوت برداشت ورثہ میں ملی ہے۔ امام شافعیؒ کم فہم اصحاب کے معاملہ میں کس درجہ صبر کے خوگر تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ قفال مروزی نے فتاوی میں کیا ہے کہ:-

ربیع مرادی - مذہب جدید کے راوی، قدرے کم فہم تھے، اُن

کے سامنے امام شافعی نے ایک مسئلہ چالیس بار دہرایا مگر سمجھ نہ سکے
ربیع شرماکر مجلس سے اُٹھ گئے۔ امام شافعی نے ان کو خلوت میں بلاکر
بار بار پھر مسئلہ سمجھایا۔ بالآخر سمجھ میں آ گیا۔ (بحوالہ ابن السبکی)

اس اسوہ حسنہ کے پیش نظر یہ بات انتہائی بعید از عقل ہے کہ مزنی طحاوی کی تعلیم کے سلسلہ میں برداشت سے کام نہ لیں جبکہ وہ بہن کی اولاد بھی ہیں اور اس طرح جلدبازی سے کام لیکر قسم کھا بیٹھیں جو وقار و تحمل سے بالکل بعید ہے اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں بس وہی اہل حدیث ہیں اور کوئی نہیں ہے (اس لئے ان کے مسلک سے الگ ہٹ کر طحاوی فلاح یاب نہیں ہوئے نہ مزنی کی قسم ٹوٹی تو) یہ ایک ایسا غوغا ہے کہ کچھ لوگ بلند کرتے ہیں اور ہم سنتے ہیں، ان حضرات سے سلامتی فکر کی توقع عبث ہے۔ اگر یہ حضرات غور فرمائیں کہ انہوں نے قیاس مشبہ، مناسبت اور تردید مرسل میں کس قدر توسع سے کام لیا ہے، ہر طرح کی بلند و پست احادیث قبول کرنے میں کتنا تساہل برتا ہے، اگر یہ لوگ غور سے مسند ابو العباس اصم دیکھیں تو کبھی یہ دعوی کرنے کی جرأت نہ کریں کہ بس ہم لوگ سنت پر عمل کرتے ہیں باقی دوسرے فقہاء امت کو ماننے والی جماعتیں اس سے محروم ہیں۔ جو جماعتیں اہل سنت کہلاتی ہیں ان میں کوئی بھی ایسی جماعت نہیں ہے جو حدیث نبوی کو اصول استنباط کا دوسرا اہم رکن نہ قرار دیتی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ کام متن اور سند دونوں لحاظ سے خوب چھان پھٹک کر انجام پاتا ہے، یہ کام اسی طرح نہیں ہوتا کہ کسی بحث و نقد کے بغیر ناقلین کی روایات قبول کرنے میں تساہل سے کام لیا جائے اور ہر وہ چیز قبول کرلی جائے کہ جو موضوع بحث میں سامنے آجائے واللہ ولی

طحاوی اور معاصر شیوخ

وسعتِ روایت کے آئینہ میں

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

جس کی نظر شیوخ طحاوی کے سوانح حیات پر ہوگی اس پر یہ حقیقت بتمام وکمال واضح ہوگی کہ ان شیوخ میں وہ بھی ہیں جن سے دیارِ مصر کو عزت حاصل تھی، وہ بھی ہیں جن پر عرصہ مغرب ناز کرتا تھا، وہ بھی ہیں جن سے ارضِ یمن تابناک تھی، وہ بھی ہیں جن سے بصرہ کے بام و در منور تھے، وہ بھی ہیں جن سے کوفہ کی خاک پاک زرنگار تھی، وہ بھی ہیں جن سے خطۂ پاکِ حجاز مفتخر تھا، وہ بھی ہیں جن سے شام کی مشامِ جان معطر تھی وہ بھی ہیں جن سے خراسان کے علم و تمدن عروسِ بہار بن گئے تھے، ممالک اسلامیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں کے شیوخ واکابر سے طحاوی نے تشنگیٔ اخبار و آثار نہ بجھائی ہو، فن حدیث اور دیگر علوم کے شیوخِ روایت سے حظِ وافر حاصل کرنے کیلئے طحاوی نے نہ صرف یہ کہ مصر کی بستیوں کو منزل مقصود بنایا بلکہ دوسرے ممالک کے شہروں اور بستیوں پر بھی دستک دی، کسی بھی ملک سے اہل علم میں سے کوئی بھی سرزمینِ مصر کو

لہٰذا زنا طحاوی اس کی رکاب تھامے نظر آتے ہیں، اپنی معلومات میں مزید اضافوں پر اضافے کرتے ہوئے ملتے ہیں۔

اصحاب ابن عیینہ، اصحاب ابن وہب اور اس طبقہ کے شیوخ سے سماعت کی، شام کا رُخ کیا بیت المقدس، غزہ، عسقلان کے شیوخ سے سماعت کی، دمشق میں قاضی ابو خازم عبدالحمید سے تفقہ حاصل کیا، خود مصر میں ابن ابی عمران اور بکار بن قتیبہ جیسے حضرات سے تفقہ کا ممتاز درجہ حاصل کیا، مصر میں جو شخصیت بھی بیرونی ممالک سے قاضی مقرر ہو کر آتی طحاوی بڑھکر عتبہ بوس ہوتے اور علوم کے ناپیدا کنار سمندروں سے پیاس بجھاتے۔ بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ اپنے وقت میں تحقیق مسائل اور دقت نظر کے لحاظ سے طحاوی کا کوئی مثیل نہ رہا۔ مسلک و مشرب کے اختلاف کے باوجود دور دراز ملکوں سے طالبان علوم سفر کی صعوبتیں اٹھا کر ان کے پاس آتے کہ علمی استفادہ کیا جائے، مختلف علوم میں اس بحر ذخار کی وسعت دیکھکر لوگوں کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ ابن زولاق، قضاۃ مصر میں بیان کرتے ہیں:-

مجھ سے عبداللہ بن عمر فقیہ نے بیان کیا کہ میں نے ابو جعفر طحاوی رح کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قاضی محمد بن عبدہ کے یہاں جمعرات کی شام کو ایک مجلس خاص طور پر فقہ کے لئے ہوتی تھی جس میں ارباب فقہ اور ارباب حدیث بطور خاص حاضر ہوتے تھے، مجلس کے خاتمہ پر قاضی رحمہ اللہ مغرب کی نماز ادا کرتے اس کے بعد تمام شرکا مجلس رخصت ہو جاتے اور صرف کوئی ضرورت مند ہی بیٹھا رہ جاتا۔ ایک شام ہم نے دیکھا

کہ قاضی رحمہ اللہ کے برابر ایک شیخ تشریف فرما ہیں، سر پر لمبا عمامہ اور چہرے پر خوبصورت داڑھی۔ ہم میں سے کوئی ان سے واقف نہ تھا، مجلس ختم ہونے پر قاضی رحمہ اللہ نے نماز پڑھی اور فرمایا ابوسعید (فارابی) اور ابوجعفر (طحاوی) رک جائیں، یہ سن کر باقی حضرات چلے گئے، اس کے بعد قاضی رحمہ اللہ نے نفلیں پڑھیں، فراغت کے بعد سہارے سے بیٹھ گئے شمعیں روشن ہو چکی تھیں، فرمایا سلسلۂ کلام شروع کیا جائے۔ اب ان شیخ صاحب نے سوال کیا کہ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اپنی والدہ صاحبہ سے بروایت والد صاحب کون سی حدیث بیان کرتے ہیں ابوسعید فارابی نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا میں نے عرض کیا جی ہاں حدثنا بکار بن قتیبۃ ثنا ابو احمد ثنا سفیان عن عبدالاعلی الثعلبی عن ابی عبیدۃ بن عبد اللہ عن امہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیغار للمؤمن فلیغر۔

طحاوی فرماتے ہیں کہ میرے اس بے ساختہ جواب پر شیخ نے فرمایا کچھ سمجھتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ کا مطلب کیا ہے؟ فرمانے لگے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے ابھی سرِ شام تم کو فقہاء کے میدان میں ان کا ہم دوش و ہم عناں دیکھا تھا اور اس وقت اہلِ حدیث کا میدان ہے اور تم ہو۔ یہ دونوں دو شیں ہیں کم

وقت بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ شیخ کے کلمات تحسین سے قاضیؒ کو بہت مسرت ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے مسائل پر گفتگو ہونے لگی۔

یہ ابو سعید کون ہیں؟ یہ محمد بن عقیل الفریابی ہیں۔ مزنی رحمہ اللہ کے تربیت کردہ ہیں فقہاء شافعیہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں مگر طحاوی جیسے زخار سمندر کے سامنے سوائے سکوت کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ یہی وہ بے پناہ وسعت علم ہے کہ جس سے طحاوی کے قلم سے ایسی نادر تالیفات نکلیں کہ اپنے عہد میں ان کا جواب نہ ہو سکا، روایات کا اس قدر لامتناہی ذخیرہ جمع کرنے کا باعث وہ شدید ضرورت تھی جو طحاوی کو اپنا نیا نہج قائم کرنے کے سلسلہ میں پیش آئی یعنی ان کو فقہ سے متعلق ہر موضوع پر تمام اخبار مرفوع و موقوف، مرسل ومنقطع، آثار سلف، آراء اکابر باختلاف مرتبہ مختلف اسانید سے جمع کرنا پڑا تاکہ ان سب کو سامنے رکھ کر اصل حقیقت کا سراغ لگا سکیں، کیونکہ جن حضرات نے صرف روایات اکٹھا کرنے اور اس طرح کے اخبار وآثار جمع کرنے پر اکتفا کیا جن کو وہ صحیح گردانتے تھے ایسے حضرات نے علم کا واجبی حق ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات زیادتی ونقصان، حفاظت اصل، روایت معنوی اور طوالت واختصار کے لحاظ سے مختلف مرتبے کی ہوتی ہیں، کسی بھی جستجو مند انسان کا دل اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تمام آثار کو اس طرح سامنے نہ لے آئے۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ فقہاء صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے اکابر کی آراء

موجود ہوں، یہی وہ واحد طریقہ ہے کہ جس سے مقبول وغیر مقبول کے ساتھ کماحقہ
معاملہ ہوسکتا ہے۔ طحاوی نے اپنی تالیفات میں یہی کارنامہ سرانجام دیا ہے
علمی وسعت نے ان کو یہ اہلیت دی تھی کہ ان ہمت شکن ذمہ داریوں کو نباہ سکیں
ان کی بے پناہ علمی قدرت نے مخالفین کو برافروختہ کردیا، ان کی زبانیں کھلیں مگر
طحاوی کا مقام دنیا و آخرت دونوں میں اس کے باوجود بلند ہی رہا۔ اگر اولوالعزمی
کا یہ عالم نہ ہوتا تو بہت آسان تھا کہ صحاح و سنن کی کتابوں میں ایک کتاب کا
اضافہ کر دیتے اور سمجھ لیتے کہ بس علمی خدمت ہوگئی لیکن فطری سربلندی نے ہر
مقام سے آگے ایک مقام تلاش کیا ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھکر طحاوی نے یہ کیا کہ صرف رجال اسانید
پر تنقید کر لینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ روایات کی باہمدگر ترجیح کے سلسلے میں ایک
حکیمانہ انداز کی آفرینش کی یعنی منصوص احکام کا غائر مطالعہ اور ان بنیادوں کی
وضاحت جن پر منصوص احکام سے گوناگوں فروعی امور کی تعمیر ہوتی ہے اگر
کسی راوی کی روایت کی بنا پر ایسا کوئی حکم مفہوم ہو رہا ہے جو اس جیسے دوسرے
شرعی نظائر سے الگ ہو جائے تو یہ مفہوم قبولیت روایت کے لئے ایک زبردست
رکاوٹ بن جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف مختلف فروعی مسائل کے لیے اصل جامع
موجود ہے، حکم متواتر ہیں نظائر پائے جاتے ہیں، دوسری طرف ایک راوی
ایک ایسا حکم بیان کرتا ہے جو ان کا مخالف ہے اس لئے ایسی کھلی مخالفت
کے بعد اس کو قابل اعتنا مقام نہیں دیا جا سکتا۔ طحاوی نے اس حکیمانہ
اصول کو اپنی کتابوں میں بہتر سے بہتر انداز پر برتا ہے، بعض حضرات نے یہ

سمجھا کہ یہ اصول، قیاس کی رعایت کرتے ہوئے ایک خبر کو دوسری خبر پر ترجیح دینے کی ایک صورت ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ میں نے اس اصول کی وضاحت الاشفاق وغیرہ میں کردی ہے۔

طحاوی نے یہ بھی نہیں کیا ارباب نقد کے اختلاف ہی کو سامنے رکھ کر رجال پر گرفت کی ہو اور بس، طحاوی کا یہ انداز مشہور ترین حاملین آثار کے باب میں بھی صاف نظر آتا ہے ورنہ اس طرح کے نقد کا انجام یہ ہوا ہے کہ غیر اہل السنۃ ناقدین نے ایسی چیزیں ڈھونڈھ نکالیں کہ جن سے اعلال روایت کی صورت بن گئی جیسا کہ کرابیسی، ابن ابی خیثمہ، ابن معین، ابن مدینی کی تالیفات سے لوگوں نے کیا ہے، چنانچہ ابو القاسم کعبی اور صاحب ابن عباد کی کتابوں کو دیکھو کہ اجلہ رجال پر زبان نقد کھولی گئی ہے۔ طحاوی نے اس طرح کے کمزور نقد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایسی راہ اختیار کی جسے تمام احناف نے اپنایا تھا طحاوی انھیں کے نقش قدم پر چلے ہیں، یعنی کسی ایسے گوشہ کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ جس کی وجہ سے خبر سے ماخوذ حکم اپنی نظائر سے مختلف یا موافق ہو رہا ہے یہی وہ طریقہ ہے جس کو متاخرین نے یکسر بھلا دیا۔ طحاوی کی تمام کتابوں میں یہ طریقہ اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ ملے گا۔ طحاوی دوران بحث اس اصول کو اس طرح ملحوظ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی فقہ کا طالب علم اس کا تتبع کرے تو واقعی صلاحیت اور ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے۔ طحاوی کا یہ انداز اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ رجال کے احوال و سوانح سے بے خبر تھے۔ ان کا عالم تو یہ تھا کہ رجال کے باب میں ارباب نقد نے جو کچھ کہا تھا وہ سب ان کی نوک زبان پر تھا۔

تاریخ رجال کے موضوع پر طحاوی کی الکتاب الکبیر اہل علم سے خراج تحسین لے چکی ہے، اگرچہ ہم نے بطور خود اس کا مطالعہ نہیں کیا مگر ارباب نقد و تاریخ کی تالیفات میں اس کے ایسے اقتباسات دیکھے ہیں جن سے اس میدان میں طحاوی کی وسعت و دقت دونوں کا پتہ چلتا ہے۔

طحاوی دو روایتوں سے کسی ایک کو اس بنا پر ترجیح نہیں دیتے کہ وہ ہی اصول جامعہ کا ساتھ دیتی ہے دوسری نہیں دیتی یعنی ترجیح، موافقت قیاس کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ یوں سمجھئے کہ اس چیز کو چھوڑ دیا جاتا ہے جس کی شرع میں کوئی نظیر نہیں ہے اور اس چیز کو لے لیا جاتا ہے جو کئی ایک دلائل کی روشنی میں قوی ہوتی ہے۔

طحاوی سلسلۂ رجال میں مطلق سکوت نہیں فرماتے چنانچہ اس کا زندہ ثبوت معانی الآثار اور مشکل الآثار وغیرہ میں موجود ہے، اگر کوئی اس کے سوا دیکھ کہتا ہے تو اس کو سمجھنا چاہیئے کہ عیب جُو ہے اور اپنی بیماری دوسرے سے منسوب کرتا ہے۔ واللہ المستعان

طحاوی کا مرتبہ

ارباب قضا و ارباب حکومت کے یہاں

ابن زولاق بیان کرتے ہیں کہ طحاوی نے اپنے چچا سے اس چوتھائی حصہ کو بصورت تقسیم الگ کرنا چاہا جو اب تک مشترک چلا آرہا تھا۔ قاضی وقت نے طحاوی کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے تقسیم کا حکم دیدیا اور اس سلسلہ میں ان کی مالی امداد بھی کی۔

ایک بار طحاوی احمد بن طولون کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ مجلس میں پہلے نکاح کی رسم ادا ہوئی۔ نکاح کے بعد خادم ایک صینی میں سو دینار اور خوشبو لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تحفہ قاضی کے لئے ہے۔ قاضی نے طحاوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ حق طحاوی کا ہے۔ اس کے بعد دس صینیاں گواہوں کے لئے آئیں مگر قاضی برابر یہی کہتا رہا کہ یہ طحاوی کا حق ہے۔ آخر میں خود طحاوی کا ذاتی تحفہ بھی آگیا اس طرح طحاوی ایک ہی مجلس سے بارہ ہزار دینار اور خوشبو لے کر اٹھے۔

ایک واقعہ امام طحاوی نے خود بیان فرمایا کہ ابن طولون امیر مصر کسی معاملہ میں شہادت لے رہے تھے، شاہدین جو کچھ لکھتے جاتے تھے خود بہ نفس نفیس امیر اور قاضی اس کو پڑھتے تھے ہر شاہد اپنی شہادت ان الفاظ میں قلم بند کرتا تھا

کہ "مجھے امیر ابوالجیش بن احمد ابن طولون مولائے امیر المومنین نے گواہ بنایا۔"
طحاوی کی باری آئی تو ان الفاظ میں شہادت قلم بند کی "امیر ابوالجیش بن احمد ابن طولون مولائے امیر المومنین کے مفصلہ تحریر اقرار پر میں گواہی دیتا ہوں اطال اللہ بقائہ وادام عزہ وعلوہ"

ابن طولون نے یہ شہادت دیکھکر قاضی سے پوچھا یہ گواہ کون ہے؟ قاضی نے جواب دیا یہ میرے سکریٹری ہیں، ابن طولون نے پوچھا کون؟ قاضی نے کہا ابوجعفر! امیر نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا اچھا آپ ہیں ابوجعفر میں بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اطال اللہ بقاءک وادام عزک۔

اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ مجھ سے جلنے لگے، اس کے بعد محمد ابن عبدہ اور ان کے ہم نوا برابر فکر میں لگے رہے اور آخر کار ہارون ابن ابی الجیش کے نائب کو پٹی پڑھائی چنانچہ نائب نے اوقاف کا چکر ڈال کر طحاوی کو نذر زنداں کردیا۔

طحاوی نے ابی عبید ابن حربویہ کے فضل وکمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مجھ سے اکثر علمی مسائل کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ ایک روز کسی مسئلے کے سلسلے میں میں نے جواب دیا تو فرمانے لگے امام ابوحنیفہ تو ایسا نہیں کہتے میں نے عرض کیا یہ کیا ضروری ہے کہ ابوحنیفہ نے جو کچھ کہا ہو وہی میں بھی کہوں؟ فرمانے لگے میں تو آپ کو مقلد محض سمجھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ تقلید محض تو کوئی عصبیت زدہ ہی کرسکتا ہے۔ فرمانے لگے ہاں کند ذہن بھی تقلید محض ہی کرتا ہے۔ یہ بات سارے مصر میں ایسی پھیلی کہ کہاوت بن گئی۔

جو لوگ شرعی طور پر گواہ قرار دیئے جا چکے تھے حکومت میں ان کا بڑا مرتبہ و مقام تھا ایسے لوگ چاہتے تھے کہ طحاوی کو بیک وقت فضیلت علم اور قبولیت شہادت کے دو دو اعزاز نہ ملیں چنانچہ شہادت کے سلسلے میں برابر ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے بالآخر ۳۰۶ھ میں ابوالقاسم میمون اور محمد بن موسیٰ سقلاب کی شہادت پر ابوعبیدہ نے طحاوی کی تعدیل کی اور قبولیت شہادت کے بعد آگے بڑھایا۔ اس سال ایسا اتفاق ہوا تھا کہ اکثر شرعی گواہ حج کے لیئے گئے تھے اور مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے، اسی بناء پر ابوعبیدہ طحاوی کی تعدیل میں کامیاب ہو سکے۔

ابوعبیدہ ہر روز شام کو کسی عالم سے مذاکرہ کیا کرتے تھے چنانچہ ہفتہ بھر میں ایک شام طحاوی کو بھی یہ سعادت نصیب ہوتی تھی۔ ایک روز دوران گفتگو طحاوی نے ابوعبیدہ کے سامنے اپنی وہ معلومات رکھدیں جن کا تعلق ان شرعی گواہوں سے تھا جنھیں ابوعبیدہ نے مامون قرار دے رکھا تھا۔ طحاوی کے علم میں کچھ ایسی باتیں تھیں جن سے ان لوگوں کا کردار مشتبہ ہو جاتا تھا طحاوی نے ابوعبید سے عرض کیا کہ ان لوگوں کی نگہداشت ہونی چاہیئے۔ ابوعبیدہ نے جواب دیا کہ قاضی اسمٰعیل بن اسحاق گواہوں کی نگہداشت نہیں فرماتے تھے۔ طحاوی نے عرض کیا مگر قاضی بکار کا یہی معمول تھا۔ ابوعبیدہ قاضی اسمٰعیل کے باب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ طحاوی نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے حضرات کی نگرانی فرمائی ہے۔ ساتھ ہی طحاوی نے ابن اتینۃ رضہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

یہ گفتگو کسی طرح گواہوں تک بھی پہونچ گئی وہ بھلا کیسے یہ دراندازی

برداشت کرسکتے تھے چنانچہ قاضی ابوعبید اور طحاوی دونوں کو ایک دوسرے سے برگشتہ کرکے چھوڑا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ قاضی ابوعبید کی مدت قضا قریب الختم تھی چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد ابوعبید خدمتِ قضا سے سبکدوش کردیئے گئے۔ ابوعبید کے بعد جو صاحب مقرر ہوئے انھوں نے طحاوی کو بھی باقاعدہ طور پر مطلع کیا کہ ابوعبیدہ معزول ہوگئے۔

طحاوی کے صاحبزادے علی بیان کرتے ہیں کہ میں یہ خوش خبری لے کر ابا جان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مبارک ہو آپ کا حریف معزول ہوگیا۔ طحاوی نے فرمایا یہ مبارکباد کا موقعہ نہیں بلکہ تعزیت کا مقام ہے تم مجھے کاہے پر مبارکباد دینے آئے ہو، اب میں علمی مذاکرہ کس سے کروں گا؟

عبدالرحمٰن بن اسحاق جوہری کو قضاء مصر کا منصب تفویض ہوا تو ہمیشہ سواری کے موقعہ پر یہ معمول رہا کہ طحاوی کے بعد سوار ہونا اور بعد میں اترنا، لوگوں نے کہا بھی کہ آپ قاضی وقت ہوکر ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا کہ ہم پر یہی ضروری ہے کیونکہ طحاوی عالم اور پیشوا ہیں، نیز یہ کہ وہ مجھ سے گیارہ برس بڑے ہیں گیارہ برس تو خیر بہت بڑی مدت ہوتی ہے اگر وہ مجھ سے گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے پھر بھی محض عہدہ قضا کی وجہ سے ان پر بڑائی جتلانا مناسب نہ ہوتا۔

جب ابومحمد عبداللہ بن زبر اسی عہدۂ قضا پر فائز ہوئے اور طحاوی نے ان کے سامنے فریضہ شہادت انجام دیا تو یہ بڑی تعظیم سے پیش آئے، نہ صرف یہی بلکہ ابومحمد نے طحاوی سے ایک حدیث کے بارے میں بھی سوال کیا۔ یہ حدیث ابومحمد کسی اور شخص کے واسطے سے بروایت طحاوی سن چکے تھے۔ اس موقع پر

طحاوی نے اس حدیث کا املا کرایا۔

حسین بن عبداللہ القرشی بیان کرتے ہیں کہ ابوعثمان احمد بن ابراہیم اپنے زمانۂ قضا میں ہمیشہ طحاوی کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور سماعت حدیث کا مشغلہ رہا کرتا تھا۔ ایک روز اسوار کا کوئی باشندہ مجلس میں حاضر ہوا اور طحاوی سے مسئلہ پوچھنے لگا۔ طحاویؒ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں جناب قاضی ایدہ اللہ کے مسلک کے مطابق مسئلہ یوں ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ میں جناب قاضی کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ میرا مقصد آپ سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ طحاوی نے جواب دیا کہ میرے بھائی میں نے جو کچھ عرض کردیا یہی قاضیٔ وقت کا مسلک ہے، اس شخص نے پھر وہی بات کہی۔ اب قاضی ابوعثمان نے فرمایا اعزک اللہ! آپ اپنے مسلک کے مطابق فتوی ارشاد فرمائیں، طحاوی نے اس پر بھی یوں کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو فتوی دوں، جب قاضی نے بالکل صاف لفظوں میں اجازت دیدی تو طحاوی نے اپنے مسلک کے مطابق فتوی بتلا دیا۔ اس درجہ احتیاط طحاوی کے فضل و کمال اور ادب کا واضح ثبوت ہے۔

قاضی ابوعبید فقہی اعتبار سے ابوثور کے مقلد تھے بروایت زعفرانی مسائل بیان فرمایا کرتے تھے، احکام کے سلسلے میں بہت گہری اور بہت دور تک نظر تھی قاضی ابوعثمان قاضی اسماعیل کے پوتے اور ان ہی کی طرح مالکی المسلک تھے مسالک کے اختلاف سے ان حضرات کی باہمی محبت پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑتا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماضی قریب ہی میں علما

کے تعلقات کس درجہ خوشگوار تھے۔

تحفۃ الاحباب میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ امیر مصر ابو منصور تکین خزری جن کو عام طور پر جبار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک روز طحاوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، طحاوی نے اس طرح امیر کو اپنے گھر پر دیکھا تو گھبرا گئے مگر امیر نے حد درجہ اکرام واحسان کا معاملہ کیا اور عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی آپ کے حبالۂ عقد میں پیش کردوں، طحاوی نے جواب میں فرمایا کہ میں اس سے معذور ہوں امیر نے پوچھا کیا آپ کو کچھ مال درکار ہے؟ فرمایا نہیں! پھر پوچھا کیا کچھ جاگیر آپ کے نام کردی جائے؟ فرمایا نہیں! اب امیر نے کہا اچھا تو آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو مانگ لیں طحاوی نے کہا کیا میری گذارش پر توجہ دی جائیگی امیر نے کہا ضرور! اب طحاوی نے کہنا شروع کیا، دین کی حفاظت کرو مبادا حدود الٰہی سے نکل جاؤ! موت سے پہلے خود کو عذاب سے نجات دینے کی کوشش کرو! بندوں پر ظلم نہ کرو! امیر یہ پند پیرِ دانا سن کر رخصت ہو گیا اور باشندگانِ مصر پر جو اس نے زیادتیاں کر رکھی تھیں ان سے تائب ہو گیا۔

یہ ہے طحاوی کا کردار حکام مصر کے ساتھ! رشتۂ دامادی سے انکار رہے مال اور جاگیر کی صورت میں انعام قبول کرنے سے انکار ہے۔ اس سے آگے بڑھکر اپنی کوئی بھی احتیاج ان کے سامنے رکھنے سے انکار ہے، یہی نہیں بلکہ ان کو ایسی نصیحت کرتے ہیں جو دنیا اور آخرت میں کام آئے۔ ایک طرف طحاوی اور طحاوی کا یہ عدیم النظیر کردار ہے، دوسری طرف ایسے لوگ ہیں جو اپنی تین تین بیٹیاں امرا کے نکاح میں دیتے ہیں تاکہ ذرا سا تقرب شاہی نصیب ہو جائے اور پھر

طحاوی پر زبان کھولتے ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

طحاوی رحمہ اللہ اور ناقدین طحاوی

خدا نے مجھ کو حسد سے بچا لیا سیماب
خدا کا شکر کہ محسودِ روزگار ہوں میں

گزشتہ صفحات میں طحاوی رح کی جلالتِ شان کے مطابق اہل علم اور حقیقت شناس حضرات کی مدح و شہادت گذر چکی کہ طحاوی کی ثقاہت و دیانت کتنا اونچا مرتبہ رکھتی ہے، ان کا حفظ و امانت اور فہم و دانش کتنی پختہ اور دور رس ہے چنانچہ حافظ ابو سعید بن یونس، ابو سعید سمعانی، ابن جوزی، سبط ابن جوزی، ابن عبد البر، ذہبی اور ابن کثیر وغیرہم رحمہم اللہ کے بیانات سامنے آچکے، چنداں ضرورت نہیں کہ اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا جائے، اس کے باوجود کچھ متعصب حضرات ایسے بھی ہیں کہ طحاوی کے باب میں زبان کھولے بغیر چین نہیں پڑی تاکہ اس طرح منارۂ عزت و شرف کی دو ایک کرسیاں کم کرسکیں، مگر اس حرکت سے طحاوی کے منارۂ عزت میں علو و ارتفاع کچھ اور بڑھ گیا، ادھر ان کے حصہ میں بجز محرومی و نامرادی کے اور کچھ نہیں آیا سامحھم اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے طحاوی کو یہ مرتبہ بلند عطا کیا کہ وہ ان عقل و دیانت اور ثقاہت و امانت سے تہی دامن انسانوں سے چشم پوشی ہی کیے جائیں ملاحظہ فرمائیے ابو بکر بیہقی معرفت السنن کی ابتدار میں فرماتے ہیں :۔

جس وقت میں نے اپنی اس کتاب کی ابتدار کی تو شاگردوں میں سے ایک صاحب طحاوی کی ایک کتاب لے آئے طحاوی نے اس کتاب میں کتنی ضعیف احادیث کو اپنی رائے سے صحیح کہہ دیا اور کتنی ہی صحیح احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔

بیہقی رح کی یہ رائے معرفت السنن میں موجود ہے، عام طور پر یہ کتاب سنن وسطی کے نام سے معروف ہے، حافظ عبدالقادر القرشی رح جامع عبدالقادر میں الجواہر المضیئہ کے ذیل میں بیہقی کے اس ارشاد پر نوٹ دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

طحاوی! بخدا اس سے بر اصل دور ہیں کہ ایسی حرکت کریں یہ کتاب جس کی طرف بیہقی اشارہ کر رہے ہیں وہ کتاب ہے جس کو معانی الآثار کے نام سے ایک زمانہ جانتا ہے۔

آگے چل کر حافظ قرشی نے ان کوششوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو انھوں نے اپنے شیخ کے ارشاد پر طحاوی کی احادیث کی تخریج کے سلسلے میں کی ہیں پھر فرماتے ہیں :۔

طحاوی کے باب میں جن باتوں کا تذکرہ بیہقی نے کیا، خدا کی قسم مجھے کوئی بھی اس کتاب میں نہیں ملی۔ ہمارے شیخ نے اس طرف

توجہ مبذول فرمائی اور سنن کبیر بیہقی پر ایک عظیم الشان کتاب تالیف فرمادی، اس میں بہت سی ایسی کوتاہیوں کی نشان دہی فرمادی جن کے متعلق بیہقی نے طحاوی پر گرفت کی تھی اور پھر خود انھیں کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ بیہقی کی عادت ہے کہ اپنے مسلک کی تائید میں کوئی حدیث لاتے ہیں اور سند میں کوئی راوی کمزور ہوتا ہے مگر اس کی توثیق کر دیتے ہیں، پھر ایک حدیث حنفی مسلک کی تائید کے سلسلے میں لاتے ہیں اور اس میں وہی راوی ہوتا ہے جس کی توثیق فرما چکے ہیں مگر یہاں اس کو ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ شیخ نے بیہقی کی اس عادت کی تفصیل تقریباً دو تین ورقوں میں کی ہے۔ شیخ کی یہ تالیف آج بھی عام طور پر مل سکتی ہے، اگر کسی کو شک ہو تو اپنا شک دور کر لے، شیخ کی یہ تالیف جیسا کہ عرض کیا گیا ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب متقدمین حفاظ حدیث میں سے کسی کے سامنے آئی ہوتی تو ضرور شیخ کی زبان مبارک کو بوسہ دینے کی تمنا ظاہر کی جاتی کہ اس سے ایسے نوادر علمی کا انکشاف ہوا ہے جس طرح شیخ ابو سلیمان دارانیؒ نے مشہور محدث ابو داؤدؒ سے اپنی تمنا ظاہر کی تھی کہ اپنی زبان چومنے کا موقعہ دے دو!

قرشی آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہر ایک پر تو امام شافعی کا احسان ہے مگر امام شافعی پر بیہقی کا احسان ہے۔ بخدا ایسی بات ایسا شخص ہرگز نہیں کہہ سکتا جس نے امام شافعی کے علمی انہماک، علمی عظمت اور بے پناہ دست رس کا کچھ بھی اندازہ لگایا ہو، امام شافعیؒ نے علم کی ایک ایسی شاہراہ قائم کی ہے کہ جس کے بارے میں کسی کو شوقِ سفر پیدا نہیں ہوا تھا یعنی ناسخ اور منسوخ کا معاملہ سچ پوچھئے تو اسلام کا مدار ہی اس پر ہے۔

قرشی اپنے شیخ کی جس کتاب کا تذکرہ کر رہے ہیں اس کا پورا نام یہ ہے الجوہر النقی فی الرد علی سنن البیہقی۔ اولاً تنہا یہی کتاب اور دوبارہ سنن کبریٰ کے ساتھ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ معرفت السنن ابھی طبع نہیں ہوئی اس کا نسخہ کتب خانہ رواق مغاربہ ازہر میں موجود ہے

بیہقی کی یہ حرکت جو اندرونی اضطراب کی غمازی کرگئی اگرچہ خود ان کے حق میں تو مناسب نہ تھی مگر اس سے ایک زبردست علمی فائدہ ضرور رہا کہ اس کی وجہ سے الجوہر النقی جیسی نفع بخش کتاب تالیف ہوگئی۔

بیہقیؒ بہت سی اچھی اچھی کتابوں کے مؤلف ہیں مگر ان کے "معیار نقد" میں کچھ اس طرح کی فروگذاشتیں ملتی ہیں جن پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیہقی ایسا کرنے پر شاید مجبور ہو گئے تھے۔ اس حقیقت کا یقین اس وقت ہو جاتا ہے جب کوئی اصل کتاب اور اس پر بیہقی کا نقد ایک ساتھ دیکھا جائے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیہقی پہلے ایک کھلی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں

اور پھر رد پر رد کئے چلے جاتے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ طحاوی کے باب میں جو کچھ کہا وہ بالکل بے سروپا ہے۔ تین کتابوں نے اس باب میں حقیقت کو بے نقاب کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔ ایک حافظ عبدالقادر قرشیؒ کی تالیف الحاوی فی تخریج احادیث الطحاوی اور دوسرے علامہ بدرالدین عینی کی دو تالیف نخب الافکار اور معانی الآثار۔ اس سے زیادہ یہاں گنجایش نہیں کہ سلسلۂ سخن دراز کیا جائے بیہقیؒ کے بعد ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں طحاوی کے باب میں یہ فیصلہ صادر کر دیا۔

"دوسرے اہل علم کی طرح طحاوی احادیث کے بارے میں نقد کے عادی نہیں ہیں، اسی بنا پر شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث لے آئے ہیں۔ ان میں سے جن کو ترجیح دیتے ہیں ان کی اکثر تعداد ایسی ہوتی ہے کہ جن کو قیاس کی روشنی میں ترجیح دی جاتی ہے قیاس طحاوی کے یہاں ایک حجت شرعی ہے حالانکہ ایسی احادیث کا اکثر ذخیرہ اسناد کے لحاظ سے مجروح ہوتا ہے اور پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچ پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طحاوی کثیر الحدیث اور فقیہ و عالم ہونے کے باوجود دوسرے اہل علم کی طرح اسناد سے کما حقہ واقف نہ تھے۔"

ابن تیمیہ، طحاوی کے بارے میں ایسا سخت حکم اس بنا پر لگا رہے ہیں کہ طحاوی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجہ سے آفتاب کے دوبارہ طلوع ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت علیؓ کے سلسلے میں ابن تیمیہؒ

کا جو رد یہ ہے اس پر اس حدیث کی سند صحیح مان لینے سے زبردست اثر پڑتا ہے حضرت علی کے باب میں ابن تیمیہ کا مشتعل انداز ہر ہر قدم پر ٹپکا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اسمار - - - - - - - - - کی روایت خالص فنی نقطۂ نظر (فن حدیث) کے لحاظ سے مردود قرار نہیں دی جا سکتی البتہ علمی حیثیت سے اس کا مقام وہی رہے گا جو دوسری اخبار احاد صحیحہ کا ہے۔ طحاوی علل حدیث پر کس درجہ نظر رکھتے ہیں اس کو جان بوجھ کر ایسا ہی شخص نظر انداز کر سکتا ہے جو نا قابل علاج مرض کا شکار ہو۔ علماء حدیث نے ہر دور میں اس حدیث کی مختلف اسناد جمع کی ہیں اور اس کو درست تسلیم کیا ہے۔ چاہے ابن تیمیہ کو بُرا معلوم ہو یا اچھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حافظ حاکم نیشاپوری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے علامہ سیوطی نے ایک خاص رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے دیگر حضرات میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا نام یاد رکھنا چاہیئے۔ قاضی نے الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود جو لوگ اس بارے میں "خارجی رجحانات" رکھتے ہیں ان کا علاج کیونکر ہو سکتا ہے۔

ابن تیمیہؒ کی عام عادت ہے کہ جب کسی بھی اہل علم کے یہاں کوئی ایک مسئلہ ملتا ہے تو اس کو خود ہی قاعدہ کلیہ قرار دیدیتے ہیں پھر اس ایک مسئلہ کی وجہ سے اس مزعومہ کلیہ کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس طرح ایک جزئیہ سے کلیہ نکالنا صرف ابن تیمیہؒ ہی کے بس کا کام ہے جیسا کہ متذکرہ بالا اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ابن تیمیہ نے یہ سمجھا ہے کہ قیاس کے مطابق ترجیح دینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے شاذ و نادر احکام کو کالعدم سمجھا جائے۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ مختلف احادیث پر گفتگو کرتے ہوئے رجال اسناد کی جرح و تعدیل کا لحاظ رکھا جائے کہا جا سکتا ہے کہ طحاوی کی کتاب کی کوئی بحث (باب) اس سے خالی نہیں ہے اور پھر کتاب بھی اہل علم کے سامنے موجود ہے، ایسے زندہ حقائق کی موجودگی میں ایسی ناروا جسارت ایسے لوگ نہیں کیا کرتے جو "اپنی عزت آپ کرو" کے اصول پر عمل کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر ہم طحاوی کی مختلف کتابوں سے نقد الرجال کا پہلو نکال کر پیش کریں تو سلسلہ سخن بہت دراز ہو جائے گا اور ہم کہیں سے کہیں نکل جائیں گے۔

ذرا سوچو تو سہی طحاوی کے سوا کسی نے جرأت کی ہے کہ کرابیسی کی تالیف کتاب المدلسین کا پردہ چاک کر دے۔ جو علم الرجال سے ناآشنائے محض ہوتے ہیں کیا ان کے کارنامے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ علم الرجال سے طحاوی بے خبر ہیں یا وہ کہ جس کی پے در پے غلطیوں پر ابو بکر الصامت الحنبلیؒ کو ایک پوری کتاب لکھنا پڑی حالانکہ خود ابو بکرؒ کا علمی میلان انھیں کی طرف تھا۔ طحاوی کو رجال کے میدان میں کس درجہ توسع تھا اس کا زندہ ثبوت تو خود طحاوی کی کتابیں موجود ہیں۔

آگے چل کر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سامنے آتے ہیں۔ ابن حجر اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکے کہ لسان المیزان کے صفحات میں طحاوی کا یوں ہی نام لے کر گذر جائیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کی جماعت طحاوی کو خراج تحسین پیش کرتی ہے اور ابن حجر صرف تذکرے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس سے طحاوی کے مرتبہ و مقام پر تو کیا حرف آتا مگر ابن حجر ایسی ہی کر گذرے۔ حافظ سخاویؒ ابن حجر کے لئے کس درجہ سراپا سپاس رہتے ہیں سب جانتے ہیں مگر انھیں بھی درر کا منہ پر

تعلیقات میں کہدینا پڑا کہ حافظ ابن حجر جب تک سچائی کا پہلو کمزور نہ کردیں کسی حنفی عالم کے حالات بیان ہی نہیں کر سکتے، حافظ سخاوی کے اس نقطۂ نظر کے نقوش درر کامنہ کے حواشی میں بہت ملیں گے۔ یہ حقیقت درون خانہ طشت ازبام ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محب بن شحنہ رح نے حافظ ابن حجر رح کے بارے میں بالکل درست فیصلہ صادر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر تعصب کے اس مقام پر ہیں جہاں کسی متقدم یا متاخر حنفی عالم کے بارے میں ان کی باتیں یکسر بے اعتنا ہو جاتی ہیں۔ یہ بجا ہے کہ امام ذہبی کا استدراک کرنے کے لئے طحاوی کے حالات حافظ ابن حجر رح نے لسان میں قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں مگر انھیں حالات میں اپنی سند سے ابن احمر تاجر کا یہ چشم دید واقعہ بھی لکھ گئے کہ:۔

> میں تیسری صدی سے پہلے مصر پہونچا تو وہاں عام طور پر طحاوی کے باب میں ایک ناگفتہ بہ بات کا بہت چرچا تھا۔

ابن حجر اس "ناگفتہ بہ" کی شرح فرماتے ہیں:۔

> ان باتوں کا تعلق یا قضاء کی ذمہ داریوں سے تھا یا کچھ لوگوں کے بیان کے مطابق اس فتوی سے لوگوں میں برہمی پھیلی جس سے امیر ابوالجیش کو ایک بدکاری کا جواز مل گیا تھا۔

اللہ اکبر! یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، گول گول باتیں کہتے ہیں صاف نہیں کہتے کہ معاملہ کیا تھا تاکہ لوگ طحاوی کے باب میں اچھی طرح بدگمان ہوں اور اس طرح امام کی شہرت دوام داغدار ہو جائے!!

سچ بتاؤ کیا ارباب نقد کے یہاں یونہی جرح وتعدیل کا معاملہ ہوتا ہے؟

آخر وہ لوگ کون تھے جو عام طور پر طحاوی کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے تمام اہل مصر کو تو اس بے ہودگی سے کیا علاقہ کسی ایک دو ہی کا نام لینے کی زحمت گوارا کی جائے ! تا کہ معلوم ہو کہ یہ لوگ کون تھے جو شاید ایک فی صدی بھی نہ رہے ہوں گے وہ کون سا ناگفتہ بہ معاملہ تھا کہ جسے طحاوی کا دامن آلودہ کرنے کے لئے یوں بیچ میں لایا جاتا ہے۔ مجہول لوگ مجہول باتیں بیان کریں تو اس کے سوا اس کا فائدہ کیا ہے کہ جو ان باتوں کو دہرائے اور پوری قوت سے دہرائے نہ صرف یہ کہ اس کی جہارت کا پردہ چاک ہو بلکہ سینے میں دبی ہوئی آگ کی غمازی بھی ہو جائے

نظر لگے نہ کہیں تیرے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

کوئی بتائے کہ طحاوی کبھی قاضی رہے بھی ہیں کہ معاملات قضا میں ظالمانہ حرکتوں کا بہتان باندھا جائے ؟ طحاوی وہی طحاوی ہیں جن کے خلاف منتنزکہ طور پر قضاء کے امینوں (گواہوں) نے مجنونانہ بغاوت صرف اس جرم میں کی تھی کہ حقوق کی حفاظت اور بازیافت کے پیش نظر قاضی وقت کو امینوں کے محاسبہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ان امینوں نے طحاوی کے اس اصلاحی اقدام کے خلاف کیا نہیں کیا یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں کو منہ کی کھانی پڑی، پھر کوئی بدکار ایسا نہیں ہے کہ وہ بدکاری کے جواز کے لئے علماء سے فتوے پوچھتا پھرے طحاوی بلا شبہ ان "مصلحت بیں" علماء میں سے نہ تھے جو امیروں، وزیروں کو خاص خاص فتوؤں سے نوازتے ہیں اور پوشیدہ خط وکتابت کا الزام

دوسروں پر دھرتے ہیں۔ میں نے اس بہتان اور الزام کا جواب جہاں موقعہ تھا دے دیا ہے۔ ایسے جواب انھیں لوگوں کو سننے پڑتے ہیں جو ایسی حرکتوں پر اُتر آتے ہیں۔

طحاوی تشفیہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سختی برتتے تھے[1] حالانکہ ابن حجرؒ نے تلخیص حبیر میں اس کی توثیق کی ہے[2]۔ یہ معاملہ ایسی نوعیت کا ہے کہ جس سے ایک عالم کی پیشانی ندامت سے عرق عرق ہو جاتی ہے مگر جو ادب میں عورتوں کی ساتھ بے باکانہ معاملہ بندی سے بھی احتراز نہ کرے بلکہ اس موضوع پر پانچ رسالے لکھ ڈالے، اس کو پاکیزہ سیرت لوگوں کے باب میں بے ہودہ لوگوں کی باتیں دہرانے سے کیا باک ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر خوب جانتے ہیں کہ مسلمہ بن قاسم قرطبی کے بارے میں (جو طحاوی کے متعلق بہتان کے راوی ہیں) علماء اندلس کا کیا فیصلہ ہے، انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابن فرضیؒ وغیرہ نے ان کے بارے میں کن تاثرات کا اظہار کیا ہے کہ مسلمہ نہایت کوتاہ عقل ہیں، جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے ان کا سرمایہ افتخار تھے، تشبیہات کے سلسلے میں ان کی بہت سی بے سروپا باتیں منقول ہیں۔ ذہبی وغیرہ نے ان کے باب میں جو کچھ کہا ہے وہ معلوم ہے کہ یہ ضعیف ہیں اور ان کے بارے میں تو مشتبہین میں سے ہونے کا الزام بھی موجود ہے۔ ایسے شخص کی روایت اور روایت بھی ذومعنی قسم کی اس شخصیت کو کیا مجروح کر سکتی ہے جس کی امانت، دیانت، ثقاہت

---

[1] ملاحظہ فرمائیے معانی الآثار جلد ۲ ص ۲۳ [2] التلخیص الحبیر ص ۳۰۷

امامت مسلم ہو۔ ہاں ایسے لوگوں کا کیا علاج جن کے دل میں چور ہو۔

مسلمہ نے مُشبّہ کا مذہب احمد بن محمد بن سالم بصری شیخ سالمیہ سے سیکھا تھا۔ ان کا مفصل حال ہم نے تبیین کذب المفتری کی تعلیقات میں بیان کر دیا ہے۔ ابن حجر اگر چاہیں بھی تو مسلمہ کی برأت نہیں کر سکتے، ان پر تو ایک مشہور کہاوت صادق آتی ہے کہ خود کردہ را علاج نیست۔ ابن حجر، مسلمہ کی شخصیت خوب جانتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف جمال بن عبد الہادی المعروف بابن المبرد رح نویں صدی ہجری سے متعلق اپنی تالیف میں ابن حجر کے حالات کے ذیل میں کر رہے ہیں اور ابن ندیم جیسے حضرات کی بات اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات اخذ کی جاسکے طبقات ابن السبکی اٹھا کر دیکھو تاکہ معلوم ہو جائے کہ حد شرعی کے لزوم اور سقوط کے بارے میں حضرات شافعیہ کا مسلک کیا ہے۔ وللہ الامر من قبل و بعد۔

آگے چل کر ابو منصور عبد القاہر تمیمی رح کا معاملہ آتا ہے، صورت واقعہ یہ ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن یحیی ابن مہدی جرجانی رح نے اپنے مسلک کی ترجیح پر ایک تالیف یادگار چھوڑی ہے۔ عبد القاہر اس کتاب پر ریمارک دیتے ہیں کہ:۔

> طبری نے ایک علیحدہ تالیف میں امام شافعی کے اصول کی روشنی میں تمام شروط کا استقصار کیا تھا۔ طحاوی نے اپنی کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب طبری کی تالیف سے سرقہ ہے اور جتلاتے یہ ہیں کہ یہ سب "اہل الرای" حضرات کی فکر کے نتائج ہیں۔"

عبد القاہر کا یہ دعویٰ تو سن لیا، اس کی "صحت" پر سب سے بڑی دلیل بھی حاضر ہے۔ امام فخر الدین رازی کو کون نہیں جانتا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ عبد القاہر اور امام

رازی دونوں ہم مسلک ہیں فرماتے ہیں:۔

عبدالقاہر مخالفین کے بارے میں بہت سخت تھے، مخالفین کا مسلک صحیح طور پر نقل ہی نہیں کرتے۔

امام رازی کا یہ فیصلہ اس رسالہ میں موجود ہے جس کا تعلق اہل ماوراء النہر کے ساتھ مناظرہ سے ہے۔ اچھا اب بتلائیے کہ ابن جریر کیا مصر کے باشندے ہیں؟ کیا یہ طحاوی کے پڑوس میں تو نہیں رہتے تھے کہ خاص طور پر شروط سے متعلقہ کتاب طحاوی نے ان کے یہاں سے چرائی تھی؟ پھر اس موضوع پر طحاوی کی تمام تالیفات حنفی مسلک پر ہیں تو کیا سمجھ لیا جائے کہ سرقہ کی ہوئی کتاب ابن جریر نے حنفی مسلک کے مطابق لکھ رکھی تھی؟ اگر ابن جریر نے بالفرض شروط کے موضوع پر کوئی کتاب لکھی تھی تو اپنے ذاتی نقطۂ نظر سے لکھی تھی کیونکہ وہ خود "مجتہد مطلق" ہیں۔ وہ آخر شافعی یا حنفی مسلک پر کیوں لکھنے لگے تھے؟

ابن جریر کی رہائش ایک مدت تک تو طبرستان کے ایک مقام حوض بحر الخزر نامی مقام پر رہی اور کچھ عرصہ تک بغداد میں رہی، طبرستان اور بغداد کی دوری مصر سے کتنی ہے سب جانتے ہیں۔ پھر آخر کس طرح باور کیا جائے کہ طحاوی نے آنکھ بچا کر طبری کی کتاب چرالی تھی۔ فرض کر لیجئے چوری کی تھی مگر دونوں کے انتقال میں کوئی اتنی لمبی مدت نہیں کہ ایک علمی چوری چھپائی جاسکے۔

ان سب باتوں سے صرف نظر، یہ سوچیئے کہ امثلۃ العدول کے نام سے مذکورہ موضوع پر ابن جریر کے نام سے ایک کتاب منسوب ہے مگر اسلاف کرام کا جو علمی ورثہ ہم کو ملا ہے اس میں اس کتاب کا کہیں وجود نہیں البتہ سوانح نگار حضرات اس کا نام

ضرور لیتے ہیں۔ اس کے برعکس طحاوی نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ آج بھی مشرق و مغرب کے علماء کے یہاں موجود ہے۔

ابن جریر ایک مدت تو طبرستان ہی میں اقامت گزین رہے جب بغداد تشریف لائے تو حشویہ کی قوت کے سامنے بالکل عاجز تھے۔ یہ لوگ ابن جریر کے دولتکدے پر اس درجہ سنگ باری کرتے تھے کہ حکومت کی اعانت کے بغیر حفاظت مشکل تھی۔ ابن جریر پر کچھ ایسے نازک وقت بھی گذرے ہیں کہ اختلاف الفقہاء جیسی تالیف کو سپرد خاک کرنا پڑا۔ حشویہ کے تسلط نے یہ موقع کہاں چھوڑا تھا کہ ابن جریر آزادانہ طور پر علوم کی اشاعت کرسکیں۔ یہ سلسلہ ایک دو دن تک نہیں بلکہ مدتوں رہا ہے۔ ادھر سرزمین مصر میں طحاوی کے حالات بالکل مختلف تھے عزت و شرافت کا حال یہ تھا کہ ادھر سے ادھر تک ہر چھوٹا بڑا عقیدتمندانہ عظمت سے پیش آتا تھا فقہ و حدیث، توثیق اور وضاحت شروط میں علمی وسعت کا یہ عالم تھا کہ قاضی وقت بھی اعانت کا خواستگار رہتا تھا، مشرق سے مغرب تک جتنے علاقے پڑتے تھے سب میں ہر کہ و مہ کی زبان پر طحاوی کی تالیفات کا چرچا تھا۔ کیا اس مرتبہ و مقام کا آدمی شروط کے موضوع پر چرانے کا محتاج ہوگا؟ طحاوی نے تو یہ فن بصرہ و بغداد اور کوفہ کے ائمہ کرام کے فیض یافتہ حضرات سے سیکھا تھا مثلاً قاضی بکار۔ ابن ابی عمران، ابو خازم، عبدالحمید حنفیہ کے بارے میں چاہے اور کسی موضوع سے واقفیت مستبعد سمجھی جائے مگر جہاں تک علم شروط و توثیق کا معاملہ ہے یہ صرف انھیں کا حصہ ہے۔ احناف امام ابو یوسف کے زمانے سے بھی پہلے سے اس فن کے شہسوار سمجھے جاتے ہیں۔ ابراہیم بن جراح اور حماد بن زید کا واقعہ آج بھی

پڑھا جا سکتا ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم رح نے ہلال الرای وغیرہ ائمہ اہل بصرہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے سب جانتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جس کی معلومات کچھ بھی ہوں گی اس کو ایک ثانیہ بھی یہ فیصلہ کرنے میں تردد نہ ہوگا کہ یہ ساری کہانی تعصب اور کوتاہ اندیشی کا نتیجہ ہے لسال اللہ السلام۔

ابوعبداللہ جرجانی کی تالیف اور عبدالقاہر کاریبارک دونوں حضرات کی عظمت کے باوجود اس بات کا ثبوت ہے کہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کہدیتے ہیں۔

ابن الصلاح نے بالکل ٹھیک کہا ہے :-

"یہ دونوں حضرات پا در ہوا دعوؤں کے خوگر ہیں، وہم میں مبتلا ہیں اچھے افعال میں بھی کیڑے نکالنا عام عادت ہے۔"

سامحهما الله تعالیٰ وایانا بمنہ وکرمہ

طحاویؒ - اپنی تالیفات کی روشنی میں

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

از دیاد فوائد کے لحاظ سے دیکھو یا جامعیت و تحقیق کے پہلو سے، امام طحاویؒ کی تمام تالیفات تم کو ایک پیکرِ رعنائی نظر آئیں گی مگر اب تک ایک چھوٹی سی تالیف کے سوا اہل مصر اس سعادت سے محروم ہیں کہ ان تالیفات کو شائع کرتے۔ دوسرے ملک اس سلسلے میں مصر سے بازی سعادت لے گئے۔ حالانکہ وادی نیل کو اپنے اس فرزند پر جس قدر بھی ناز ہو کم ہے۔ اگر یورپ میں اس پایہ کا مؤلف پیدا ہوتا تو اس کی تالیف پر ریسرچ اور ان کی اشاعت کا کام کرنے کے لئے باقاعدہ اہل دانش کی ایک جماعت مقرر ہو چکی ہوتی۔ دیار مغرب کے رہنے والوں نے یہاں تک پیش قدمی کی ہے کہ ٹھیک اسی وقت جب ہم اپنے اکابر کے مرتبہ و مقام سے بے خبر ہیں وہ آگے بڑھکر یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ہم نے صرف اپنی طبعی کد وکاوش پر اس حد تک بھروسہ کر لیا ہے کہ سرزمین مشرق کی پُر عظمت میراث پر نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے، ہماری پوری کوشش اس پر صرف ہو رہی ہے کہ ہر چیز میں "تجدد" ہو۔ اگر واقعۃً ہم لوگ خود اپنے ہی اکابر کے علوم کی تلاش و جستجو میں اہل مغرب کا مقابلہ کر لیتے اور اُن کو علمی میدان سے واپسی پر مجبور کر دیتے تو ہم کو

ایک نئی زندگی نصیب ہو جاتی وما ذلك علی الله ببعید۔

چند کتابوں کا تعارف حاضر ہے۔

معانی الآثار:۔ اختلافی مسائل پر دلائل کا محاکمہ، اس کتاب کا موضوع ہے طحاوی اپنی سند سے ان تمام احادیث و اخبار کو بیان کرتے ہیں جن سے ائمہ کرام اختلافی مسائل پر استدلال کرتے ہیں پھر اسناد و متن، روایت و نظر کی روشنی میں فریضہ نقد انجام دیکر خاص انداز سے وہ حقائق نکالتے ہیں جو ہر ایسے انصاف پسند اور متلاشی انسان کے لئے کافی ہوتے ہیں جس کا مقصد تقلید جامد نہ ہو۔ اس عدیم المثال علمی کوشش کے باب میں بعض اغراض پیشہ لوگوں کی حرکتوں کے باوجود اس کا مقام فقہ دانی اور ملکۂ فقہ پیدا کرنے میں بے نظیر ہے۔ اسی لئے استاذ مرحوم علامہ محمد خالص شروانی رح نے اس کو اونچی استعداد کے لئے مجوزہ نصاب میں آثار امام محمد رح کے پہلو بہ پہلو رکھا تھا۔ معانی الآثار پر ہمیشہ بہترین علمی کوششیں کی گئی ہیں، درس، روایت، تلخیص، شرح، نقد رجال۔ غرض ہر پہلو سے اس کو علماء کی توجہ کا شرف حاصل رہا ہے۔ چند شارحین کا مختصر تعارف یہ ہے

۱۔ حافظ ابو محمد منبجی صاحب اللباب۔ ان کی شرح کا ایک ٹکڑا مکتبہ ایا صوفیا استانہ میں موجود ہے۔

۲۔ حافظ عبد القادر قرشی صاحب الحاوی، اس کا ایک ٹکڑا دار الکتب مصریہ میں موجود ہے۔ حافظ قرشی نے اپنی طبقات میں جہاں قسم الجامع کا باب باندھا ہے وہاں اپنی اس شرح کی تالیف کا ذکر فرمایا ہے کہ:۔

"یہ خدمت شیخ علاء الدین رحمہ اللہ کے اشارے پر سرانجام پائی

کسی امیر نے اپنی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے شیخ سے کہا تھا کہ ہمارے یہاں کتاب الطحاوی موجود ہے۔ جب ہم کسی دوسرے مسلک کے آدمی کے سامنے اس کی کوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ ہم اس سلسلے میں صرف بخاری و مسلم کی روایت تسلیم کر سکتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ ایسے معاملات میں طحاوی میں اکثر وہی روایات ہیں جو بخاری و مسلم اور دیگر حفاظ حدیث کے سنن میں موجود ہیں۔ اس ارشاد پر امیر نے درخواست کی کہ ایسی تمام احادیث کی تخریج کر دیجئے اور طحاوی کی روایت کو مسلم و بخاری سے ثابت کر دیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے تو خود اتنی فرصت نہیں ہے ہاں میرے اصحاب میں ایک صاحب ہیں جو یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی امیر سے میرا تعارف مناسب انداز میں کرا دیا اس طرح مجھے یہ خدمت تفویض ہوگئی، اس کے بعد مجھے امیر مذکور کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ امیر کا معاملہ میرے ساتھ بہت شریفانہ رہا، امیر نے میرے لئے بہت سی کتابوں کا انتظام بھی کر دیا، مثلاً امام مزیؒ کی اطراف اور تہذیب الکمال وغیرہ۔ میں نے اس خدمت کی ابتدا ۸۴۲ھ میں کی۔ شیخ نے بھی ایک بہت ہی کار آمد کتاب یہ فرما کر عنایت کی کہ میری جانب سے تمہاری اعانت یہی ہے، اس میں طحاوی کے تمام شیوخ کے اسماء قلم بند تھے اس سے مجھے واقعی بہت فائدہ ہوا۔

حافظ قرشی نے ہنگامِ تخریج یہ اصول ملحوظ رکھا ہے کہ پہلے طحاوی کی اسانید پر گفتگو کرتے ہیں پھر ان کی احادیث و اسانید کو صحاح ستہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر حفاظ حدیث کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح اس میدان میں ایک عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔

۲۔ حافظ بدرالدین عینی۔ ان کو پیا پے کئی سال تک مدرسہ مؤیدیہ میں معانی الآثار کی درسی خدمت بھی انجام دینی پڑی ہے۔ سلطان مؤید ایک عمر رسیدہ اور علمی رجحان کے آدمی تھے، علماء سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا کرتے تھے انھوں نے اپنے مدرسہ میں دوسری اہم کتب حدیث کی طرح معانی الآثار کے لئے بھی ایک درس گاہ خاص کردی تھی اور یہ درس گاہ علامہؒ سے متعلق تھی۔ ایک مدت تک یہ خدمت بہت عمدگی سے انجام دی اور دو شرحیں بہت عمدہ بہت ضخیم تالیف فرمائیں۔

الف۔ نخب الافکار فی شرح معانی الآثار۔ اس میں علامہ نے شرح بخاری کے انداز پر رجال کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ اس کی آٹھ جلدیں مؤلف ہی کے قلم سے لکھی ہوئی دارالکتب مصریہ کے مخطوطات میں موجود ہیں مگر کرم خوردہ ہیں۔ اس کے کچھ اجزاء مکتبہ احمد ثالث بمقام طوبقبو میں اور کچھ اجزاء مکتبہ محمود حسین پاشا آستانہ میں ملتے ہیں۔

ب۔ مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار۔ یہ بھی مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی چھ جلدوں میں دارالکتب مصریہ میں موجود ہے۔ اس شرح میں رجال پر گفتگو نہیں ہے یہ گفتگو ایک دوسری کتاب مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار میں کی ہے، اللہ

کی دو جلدیں ہیں اس کا جو نسخہ دار الکتب مصریہ میں ہے وہ ناقص ہے مگر یہ نقص مکتبہ رواق الاتراک، ازہر کے نسخے سے دور کیا جا سکتا ہے۔ معانی الآثار کے سلسلے میں علامہ کی یہ خدمت صحیح بخاری کی شرح سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ان عظیم الشان خدمات پر خصوصاً احکام کے سلسلے میں رجال کی تحقیق پر بڑے اجر و ثواب کی توقع ہے۔

۴۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے تلخیص کی خدمت انجام دی ہے، معانی الآثار ہی کے مطالعہ سے ابن عبد البر کے سامنے طحاوی کا مقام آیا۔ اپنی عام کتابوں میں عموماً اور تمہید میں خصوصاً بڑی کثرت سے امام طحاوی سے نقل کرتے ہیں۔

۵۔ حافظ زیلعیؒ صاحب نصب الرایہ نے بھی تلخیص کی خدمت انجام دی ہے یہ ملخص مکتبہ رواق الاتراک ازہر میں محفوظ ہے۔ اس کا ایک نسخہ مکتبہ کوپریلی استانہ میں بھی ہے، اس کی شرح صاحب اللباب نے کی ہے۔ یہ شرح مکتبہ ایا صوفیا استانہ میں موجود ہے۔

۶۔ محمد بن محمد باہلی مالکی نے کتاب تصحیح معانی الآثار کے نام سے خدمت انجام دی ہے۔ اس کا نسخہ بروکلمان کی دریافت کے مطابق بنکاک میں موجود ہے۔

معانی الآثار یوں تو ہندوستان میں کئی بار شائع ہو چکی ہے مگر مصری طباعت کی بات ہی اور ہے۔ کاش یہ تمام کتابیں اور معانی الآثار خاص توجہ کی ساتھ مصر سے شائع ہوتی۔ معانی الآثار کی ابتدا میں طحاویؒ فرماتے ہیں:۔

اہل علم دوستوں کا اصرار تھا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کر دوں جس میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار جمع کئے جائیں جن کا تعلق ان احکام سے ہے کہ جن میں الحاد پرست اور کمزور ذہن و فکر کے لوگ

ناسخ ومنسوخ سے ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے
سے ٹکراتے ہیں، اور کتاب وسنت کی روشنی میں جن پر عمل کرنا ضروری
ہے۔ کتاب ابواب پر تقسیم کردی جائے اور ہر باب سے متعلق
ناسخ ومنسوخ، تشریحات علماء، دلائل جمع کردوں نیز جس امام
کی دلیل میرے ذہن وفکر کے مطابق سنت یا اجماع، یا صحابہ و
تابعین کے اقوال متواترہ کی روشنی میں ثابت ہوسکتی ہو اس کو ثابت
کردوں۔ میں نے اس باب میں طویل غور وفکر اور تلاش وتحقیق کے
بعد مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں مسائل پیش کئے اور ان کو کتاب
کی صورت میں مرتب کردیا۔ کتاب کے ہر باب میں میں نے ایک ایک
پہلو سے بحث کی ہے۔

اس بیان سے طحاوی کی ذمہ داری اور خدمت کی اہمیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ
ہوجاتا ہے۔

مشکل الآثار:۔ اس کتاب کا اصل نام مشکل الحدیث ہے عام طور پر لوگ
مشکل الآثار کے نام سے جانتے ہیں۔ اس میں احادیث نبویہ
سے اس تضاد کو دور کیا گیا ہے جو نظر بظاہر دکھائی دیتا ہے۔ پھر ان سے احکام
کا استنباط کیا گیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ سات ضخیم جلدوں میں مکتبہ شیخ الاسلام
فیض اللہ استنبول میں ۲۷۲ - ۲۷۹ نمبر پر موجود ہے۔

یہ نسخہ صحت کے لحاظ سے قابل اعتماد ہے۔ ابو القاسم ہشام بن محمد
ابن ابی خلیفہ رعینی نے اس کو طحاوی سے روایت کیا ہے۔ ابن السابق صاحب

الضوء اللامع جو ابو القاسم کے سوانح نگار بھی ہیں انھوں نے اس کی صحت فرمائی ہے حیدر آباد سے اس کتاب کے چار حصص شائع ہوئے جو نصف کتاب سے بھی کم ہیں، طباعت کی خرابیاں اس پر مستزاد ہیں۔

جن حضرات کو امام شافعیؒ کی اختلاف الحدیث اور ابن قتیبہ کی مختلف الحدیث دیکھنے کا موقع ملا ہے اور پھر طحاوی کی یہ تالیف بھی دیکھی ہے ان پر طحاوی کی عظمت بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ مذکورہ بالا نسخہ سے یہ کتاب مصر سے شائع ہوتی۔

ابو الولید ابن رشد الجد نے مشکل الآثار کی تلخیص کی ہے اور اس پر چند اعتراضات بھی کئے ہیں اس کا نسخہ دار الکتب مصریہ میں موجود ہے۔ آگے چل کر ابو الولید کی مختصر کا اختصار قاضی القضاۃ جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی نے کیا ہے۔ موصوف علامہ عینی کے شیوخ میں سے ہیں اس کا نام المعتصر من المختصر ہے۔ نہ صرف یہ کہ تلخیص بہت عمدہ ہے بلکہ ابو الولید کے تمام اعتراضات کی حقیقت بھی کھول دی ہے المعتصر ہندوستان میں شائع ہو چکی ہے مگر مؤلف کا نام بھی غلط چھپا ہے اور کتاب کا نام بھی۔ یہ المعتصر بہت عمدہ کوشش ہے۔

اختلاف العلماء:- نئے سائز کے تقریباً ایک سو تیس اجزاء پر مشتمل ہے ابو بکر رازی نے اس کا اختصار کیا ہے اور یہ اختصار مکتبہ جار اللہ ولی الدین استنبول میں موجود ہے، طحاوی کی اصل کتاب کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ دار الکتب مصریہ میں جو چند اجزاء موجود ہیں وہ ابو بکر رازی کی تالیف مختصر اختلاف علماء الامصار کے ہیں غلطی سے طحاوی کی طرف منسوب

ہوگئے۔ مختصر کا انداز یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور اصحاب ائمہ کی ساتھ حضرت نخعی عثمان بتی، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلے اور حسن بن حی رحمہم اللہ جیسے قدیم مجتہدین کے اقوال بیان کئے ہیں۔ مسائل مختلفہ میں آج ان حضرات کی آرار کا پتہ لگانا کس قدر دشوار ہے، کاش کوئی اللہ کا بندہ اصل کتاب کا سراغ لگاتا اور دونوں کتابیں یا ایک ہی کتاب شائع ہوجاتی۔

احکام القرآن:- یہ بیس اجزار میں ہے۔ قاضی عیاض، الکمال میں بیان کرتے ہیں کہ:-

"طحاوی نے تفسیر قرآن کے موضوع پر ایک ہزار ورق لکھے تھے"

یہ احکام القرآن ہی کا ذکر ہے۔

کتاب الشروط الکبیر فی التوثیق:- یہ تقریباً چالیس اجزار پر مشتمل ہے بعض مستشرقین نے اس کا ایک جزر شائع کیا ہے، اس کا ایک حصہ مکتبہ علی پاشا شہید استنبول میں اور ایک حصہ مکتبہ مُراد مُلاّ استنبول میں ملتا ہے مگر ان دونوں سے کتاب مکمل نہیں ہوتی۔

الشروط الاوسط مختصر الشروط:- یہ پانچ اجزار پر مشتمل ہے مکتبہ شیخ الاسلام فیض اللہ میں موجود ہے۔ اس کتاب سے علم شروط و توثیق پر طحاوی کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے چاہے عبدالقاہر کو کتنی ہی بُری لگے۔

مختصر الطحاوی فی الفقہ:- یہ بالکل اسی انداز پر ہے جیسی شافعی مسلک پر امام مزنی کی مختصر ہے اس کے نسخے مکتبہ ازہر

مکتبہ جار اللہ استنبول، مکتبہ فیض اللہ استنبول میں موجود ہیں۔ طحاوی کی مختصر کی لوگوں نے شرحیں بھی کی ہیں، ان میں سب سے قدیم اور سب سے اہم ابوبکر جصاص رازی کی شرح ہے، درایت وروایت دونوں لحاظ سے عمدہ ہے اس کا ایک ٹکڑا دار الکتب مصریہ میں اور باقی حصہ مکتبہ جار اللہ میں ہے۔

مختصر کی دوسری شرح ابوعبداللہ الحسین بن علی صمیری کی ہے: تیسری شرح شمس الائمہ سرخسی کی ہے۔ اس شرح کا کچھ حصہ مکتبہ سلیمانیہ میں اور باقی حصہ مکتبہ شہزادہ استانہ میں ملتا ہے۔

چوتھی شرح ابونصر احمد بن محمد المعروف بالاقطع رح شارح مختصر القدوری کی ہے۔

پانچویں شرح بہاء الدین علی بن محمد سمرقندی اسبیجابی رح کی ہے۔ یہ شرح مختصر ہے۔

چھٹی شرح ابونصر احمد بن منصور خجندی کی ہے یہ شرح مفصل ہے۔ یہ دونوں شرحیں استانہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ شرح خجندی مکتبہ علی پاشا شہید میں اور شرح سمرقندی مکتبہ ینی جامع میں موجود ہے۔

ساتویں شرح احمد بن محمد بن مسعود الوبری رح کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی شروح ہیں۔

النوادر الفقہیہ:- یہ دس اجزاء پر مشتمل ہے۔

کتاب النوادر والحکایات:- یہ تقریباً بیس اجزاء میں ہے۔

حکم ارض مکۃ:- ایک جزء۔

حکم الفئ والغنائم :- ایک جزء۔

الرد علی کتاب المدلسین :- پانچ جزء۔ کتاب المدلسین، ابوعلی الحسین بن علی الکرابیسی کی تالیف ہے۔ اس کتاب سے اہل سنت سے عناد رکھنے والوں کو زبردست قوت ملی ہے۔ ابوعلی نے اپنے مسلک کی زندگی کے لئے خلاف مسلک تمام رُواۃ کو ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں امام احمد کا ارشاد ابن رجبؒ نے شرح علل الترمذی میں دہرایا ہے۔ طحاوی نے اس فتنہ کی سرکوبی بڑی اولوالعزمی سے کی ہے۔ کتاب المدلسین کے باب میں امام احمد کے علاوہ ابوثورؒ وغیرہ دیگر ائمہ نے بھی سخت مذمت کی ہے۔

مروزی کا بیان ہے کہ :-

"میں کرابیسی کے یہاں گیا، اس زمانے میں انھیں کوئی نہ جانتا تھا۔ سنت نبویہ کی خدمت میں مشغول تھے اور ابوعبداللہ کے مسلک کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، مجھ سے کہنے لگے کہ ابوعبداللہ ایک نیک آدمی ہیں ایسے انسان کو ضرور توفیق حق نصیب ہوتی ہے وہ بہت اچھے آدمی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میری کتاب ان کے سامنے آئے۔ ابوثور، ابن عقیل، ابن حبیش نے تو یہ مشورہ دیا ہے کہ یہ کتاب ضائع کردی جائے مگر میں نے صاف کہدیا ہے کہ ضائع کرنا تو درکنار میں تو اس میں اضافہ کردں گا۔ یہ کتاب ابوعبداللہ کی خدمت میں پیش کی گئی ان کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ اس کا مؤلف کون ہے۔ کتاب

میں حضرت اعمش پر طعن تھا اور حسن بن صالح کو قابل احتجاج بتلایا گیا تھا۔ کتاب میں کہا گیا تھا کہ اگر حسن بن صالح پر یہ الزام ہے کہ وہ خارجی تھے تو یہ الزام ابن الزبیر رضی اللہ عنہ پر آتا ہے، جب یہ عبارت ابو عبداللہ کے سامنے پڑھی گئی تو فرمایا کہ اس مؤلف نے تو مخالفین کے لئے ایسے ایسے دلائل مہیا کر دیئے کہ وہ بھی شاید ایسے دلائل پسند نہ کریں، اس کتاب سے بچو۔

ابن رجب بیان فرماتے ہیں کہ :-

اس سے تمام اہل بدعت کو اہل حدیث وسنت پر تسلط کا موقع ملا اور بعض اہل حدیث بھی واقفیت یا عدم واقفیت کی بنا پر اس کے مغالطے نقل کرنے لگے مثلاً یعقوب فسوی وغیرہ سمجھ لیجئے کہ ایسی خطرناک کتاب پر طحاوی نے بھرپور حملہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

کتاب الاشربہ :- طحاوی کی دوسری کتابوں کے ساتھ ہشام رعینی اس کو بھی لے گئے تھے۔

الرد علی عیسیٰ بن ابان :- دو جزء۔ عیسیٰ کا شمار محمد بن حسن کے اصحاب میں ہوتا ہے۔

الرد علی ابی عبید :- ایک جزء، اس کا تعلق مسئلہ انساب سے ہے۔

اختلاف الروایات :- دو جزء۔

الرزیہ :- ایک جزء۔

شرح الجامع الکبیر:- جامع کبیر امام محمدؒ کی شرح۔
شرح الجامع الصغیر:- جامع صغیر امام محمدؒ کی شرح
کتاب المحاضر والسجلات:- موضوع نام سے ظاہر ہے
کتاب الوصایا والفرائض:- موضوع نام سے ظاہر ہے۔
کتاب التاریخ الکبیر:- ابن خلکان اس کے متعلق پتہ دیتے ہیں مگر کہتے ہیں افسوس مجھے اس کا سراغ نہ مل سکا جس سے بھی پوچھا لاعلمی ظاہر کی لیکن مورخین اس سے بکثرت نقل کرتے ہیں۔
اخبار ابی حنیفہ واصحابہ:- اسی کو کچھ لوگ مناقب کے نام سے جانتے ہیں۔
کتاب النحل:- تقریباً چالیس اجزا رہیں جن میں احکام، صفات، اجناس اور احادیث مرویہ سے بحث کی گئی ہے۔
عقیدۃ الطحاوی:- یہ عقائد پر مشہور کتاب ہے اس کا پورا نام یہ ہے بیان اعتقاد اہل سنت والجماعت علی مذہب الفقہاء الملۃ ابی حنیفہؒ وابی یوسف الانصاری ومحمد بن الحسن۔
تسویہ بین حدثنا واخبرنا:- اس کی تلخیص ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں کی ہے۔
سنن الشافعی:- امام مزنی کے جو احسانات طحاوی پر تھے ان کے شکریہ میں ان کی زبانی امام شافعی کی مرویات کو الگ جمع کردیا ہے شافعیہ ان احادیث کو طحاوی کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔
صحیح الآثار:- بروکلمان کی تحقیق کے مطابق یہ مکتبہ پانتا میں محفوظ ہے، مگر

میری ذاتی معلومات اس کے باب میں محدود ہیں۔

حافظ ابن قطلوبغا نے ایک جزء بنام عوالی حدیث الطحاوی لکھا ہے اور مرقد طحاوی پر اس کی سماعت کی ہے۔ اسی طرح موصوف نے حضرت لیث بن سعد اور قاضی بکار کے عوالی بھی جمع کئے ہیں۔ یہ تینوں نسخے بروکلمان کی تحقیق کے مطابق برلن کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

امام طحاوی کے فضائل کی یہ ایک جھلک تھی، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

چند اسانید

روایت مشارقہ:۔ معانی الآثار۔ عن طریق الحافظ ابی بکر محمد بن ابراہیم المقری الحنبلی[۱] وبطریق ابی الفضل محمد بن عمر الترمذی کلاہما عن الطحاوی۔

بطریق ابی القاسم ہشام بن محمد بن خلیفۃ الرعینی عن الطحاوی[۲]

روایت مغاربہ:۔ معانی الآثار کے سلسلے میں حافظ سخاوی نے مفصل طور پر تمام متفرق اسانید کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تلخیص خطیب مسجد نبوی عبدالقادر

---

[۱] صاحب مسند ابی حنیفہ اور مشہور معجم کے مؤلف۔

[۲] مشکل الآثار اور کتاب الاشربہ انھیں کے ذریعہ سے مغرب تک پہونچی تھی ملاحظہ فرمائیے فہرس ابی بکر بن خیر اشبیلی ص۲۰۰ اور ص۲۶۲،

ابن خلیل مدنی المعروف بکدک زادہ نے اپنی تالیف المطرب المعرب الجامع لاسانید اہل المشرق والمغرب میں کی ہے۔ پہلے اپنی تمام اسانید حافظ سخاوی تک اور پھر سخاوی کی اسانید طحاوی تک بیان کی ہیں۔ یہ اسانید جاعۃ عن جماعۃ کی حد تک ہیں ان کا تفصیل سے بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ اہل ذوق مذکورہ بالا کتاب سے رجوع کریں۔ مطرب کے متعلق میری سند یہ ہے:۔

اروبہ مکاتبۃ عن المحدث المعمر الحسین بن علی العمری الیمانی عن احمد بن محمد بن یحیی السیاغی الصنعانی عن الحسن بن احمد ابن یوسف الرباعی الصنعانی عن عبد اللہ بن محمد بن اسماعیل الامیر عن عبد القادر بن خلیل (ح) واروبہ مشافہۃ عن القاضی ابی طلحۃ محمد صدر الدین عن محمد بن سلیمان الجوخدار عن سعید الحلبی عن اسماعیل بن محمد المواہبی عن عبد القادر بن خلیل۔

علامہ عینی:۔ کی سند یہ ہے شرح معانی الآثار میں روایۃً فرماتے ہیں:۔ عن الزین تغری برمش الفقیہ عن الجلال الخجندی عن العفیف عبد اللہ العبادی عن عبد الرحمن بن عبد الولی البلدانی عن الضیاء المقدسی والخشوعی ومحمد بن عبد الہادی عن ابی موسی المدینی سماعا علی اسماعیل بن الفضل السراج عن ابی الفتح منصور بن الحسین بن علی عن ابی بکر بن المقری عن الطحاوی۔

پھر طحاوی تک علامہ نے العز بن جماعہ کے طرق سے سند بیان کی ہے میں اپنی سند علامہ تک ایک الگ مختصر تحریر میں بیان کرچکا ہوں، اس سلسلے میں

ابن حجر کی المعجم المفہرس، اتحاف الاکابر اور ثبت محمد الامیر مصری وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

ابوالولید:- موصوف نے اپنی سند مشکل الحدیث میں اس طرح بیان کی ہے حدثنی بہ ابوعلی الحسین بن محمد الغسانی انا ابو عمر احمد بن یحیی بن الحارث انا ابی انا ابو القاسم ھشام بن محمد بن ابی خلیفۃ الرعینی عن ابی جعفر الطحاوی

اسناد عقیدہ:- قرأھا عبد القادر القرشی علی بدرالدین محمد بن منصور الجوھری سماعًا من بدرالدین محمد بن ایوب بن عبد القاھر الحلبی سماعًا من ابن العدیم ابی القاسم عمر بن احمد بن ھبۃ اللہ قال اخبرنا ابو الخطاب عمر بن الملک انا الشریف النسابۃ محمد بن اسعد بن علی الحسینی ثنا ابو طاھر عبد المنعم ابن موھوب بن احمد المقری انا ابو الحسن العکلی انا احمد بن القاسم ابن میمون العبیدلی انا جدی میمون بن حمزۃ العبیدلی عن شیخہ الطحاوی رحمہ اللہ تعالی

میرے پاس عقیدۃ الطحاوی کا ایک نسخہ ابن العدیم کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا اس پر تسمیعات متواترہ بھی ثبت تھیں، ابن العدیم کا خط بہت عمدہ تھا۔ یہ نسخہ دوسرے نوادر اور علمی کتابوں کے ساتھ بحری طغیانی کی وجہ سے موسم سرما میں غرق ہوگیا تھا۔ میں بحر اسود کا سفر کر رہا تھا اور یہ حادثہ آقچہ شہر کے سامنے پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۳۳۶ھ کا ہے۔ میں

قسطونی سے آشنا نہ آرہا تھا وللہ الامر ولہ الحکم

عقیدۃ الطحاوی کے سلسلے میں کورانی نے اپنی سند الامم میں ذکر کی ہے دیکھو ص۹۰، بطریق الشرف الدمیاطی الی ابی بکر الدامغانی عن الطحاوی۔ اگر اپنی تمام اسانید کا ذکر کرتا ہوں تو سلسلہ کلام دراز ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

طحاویؒ ــــ وفات، مدفن

اور

باقیات الصالحات

ابن خلکان، وفیات الاعیان میں امام طحاوی کے حالات بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:۔

ذی القعدہ کی چاند رات تھی جمعرات کی شب تھی کہ ۳۲۱ھ میں طحاوی نے وفات پائی اور قرافہ میں تدفین ہوئی، قبر عام طور پر مشہور ہے۔

علامہ عینی نخب الافکار میں فرماتے ہیں:۔

میں نے ایک مصری عالم کی تالیف مصر کے اماکن متبرکہ کے سلسلے میں دیکھی ہے، اس کا مؤلف بیان کرتا ہے کہ بعض حضرات کا بیان ہے کہ طحاوی کا مرقد مقام خندق عبور کرنے کے بعد دائیں سمت پر مسجد محمود کے قریب ہے جیسے عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔

یہ خندق اور مسجد محمود، تاریخ اور جغرافیہ میں ان کے نام اکثر ملتے ہیں مگر اب کچھ بھی نہیں رہا۔ آج طحاوی کے مزار پر جانے کی صورت یہ ہے کہ جو سڑک امام شافعی کے مرقد تک جا رہی ہے اس پر دائیں طرف بالکل سامنے جہاں مرقد شافعی جانے والی ٹرام رکتی ہے وہیں مزار ہے۔ شارع شافعی سے دائیں جانب جانے والی سڑک پر شارع طحاویہ کے سامنے ایک پرانے گنبد کے نیچے یہ آفتاب علم محوِ خواب ہے۔ مزار پر تاریخ وفات کندہ ہے اور ایک خاص عظمت برستی ہے۔ گنبد کے نیچے ایک خالی جگہ بھی ہے۔ گمان یہ ہے کہ یہاں سید احمد طحطاوی مدفون ہیں۔ موصوف زندگی میں اس بات کے متمنی رہا کرتے تھے۔

اس زمانے میں مرقد طحاوی کے نگراں عبدالرحمٰن جبرتی مشہور مؤرخ تھے انھوں نے دفن کی اجازت کا ذکر اپنی تاریخ میں طحطاوی کے حالات کے ذیل میں کیا ہے۔

ازد یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔ حجر اس کی ایک شاخ ہے، یہ قبیلہ

ازد شنوٰۃ کے علاوہ ہے اسی لئے اس کو ازد حجر کہتے ہیں۔ طحاوی اسی کی طرف منسوب ہیں۔

طحا کے سلسلے میں اگرچہ اختلاف ہے مگر درست یہ ہے کہ جس طحا کی طرف امام منسوب ہیں وہ طحا اشمونین ہے، طحاوی کی ایک نسبت جیزی بھی ہے کیوں کہ جیزہ میں بھی اقامت رہی ہے۔

امام کے والد ایک عالم اور دین دار آدمی تھے، طحاویؒ نے ان سے سماعت بھی کی ہے۔ جس سال طحاوی کے ماموں اسماعیل مزنی کا وصال ہوا یعنی ۲۶۴ھ میں اسی سال ان کے والد نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

طحاوی کے فرزند علی بن احمد الطحاوی صاحب علم و کمال تھے تمام علوم اپنے والد سے حاصل کئے تھے۔

قضاعی کا بیان ہے کہ ملک کافور اور اخشید کے حکم سے علی بن احمد اپنے ایک رفیق کے ساتھ جیزہ میں ایک مسجد کی تعمیر کے نگراں تھے جب معماروں کو ستونوں کی ضرورت ہوئی تو رفیقِ کار نے ایک گرجا کے ستون لگا دیئے۔ علی بن احمد کو اس کا علم نہ تھا، معماروں نے اعتراف کیا تو موصوف نے مسجد میں نماز ترک کر دی۔

سچ ہے بڑے باپ کا بیٹا بھی بڑا ہوتا ہے۔

ابن الطحان کے بیان کے مطابق ربیع الآخر ۳۵۱ھ میں بمقام دمشق موصوف نے وفات پائی۔

ابو المحاسن نے النجوم الزاہرہ میں ان کے حالات بیان کیے ہیں فرماتے ہیں:۔

فقہ و حدیث اور اختلاف علماء، احکام اور لغت و نحو میں
وسعت نظر کے لحاظ سے اپنے وقت کے امام تھے، بہت
سی عمدہ تصانیف یادگار ہیں، کبار فقہائے احناف میں
شمار ہوتا تھا۔ رحمہ اللہ تعالے

غفر اللہ لی و لوالدی و لمشائخی ولسائر المسلمین وصلے اللہ
علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العالمین

محمد زاہد الکوثری

بعد العصر یکشنبہ

۲۴ شعبان ۱۳۶۸ھ ہجری

اِزاحۃ الشجن فی شرح نفحۃ الیمن

یعنی

نفحۃ الیمن کی عربی شرح اور اردو ترجمہ

نفحۃ الیمن ادب عربی کی ابتدائی کتابوں میں مسلم کتاب ہے جس کو صاحب زبان ماہر علم معانی و بیان شیخ احمد یمنی شروانی نے مرتب فرمایا ہے انھوں نے اسمیں ہر قسم کی حکایات اس لئے جمع کی ہیں تاکہ مبتدی طالب علم ہر طرح کے مفردات اور ہر قسم کی بندش کلام سے واقف ہوسکے۔ یوں تو اس کتاب کے مفید اور اچھے حواشی موجود ہیں مگر اس کی مفصل و مفید شرح ابتک نہیں تھی اس لئے ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ادیب اریب جناب مولانا افتخار علی صاحب (فاضل دار العلوم) پروفیسر اسلامیہ کالج میرٹھ نے جانکاہی و عرق ریزی سے اس کی ایک جامع عربی اردو شرح تصنیف فرمائی ہے جس میں حل لغات، بیان صلات افعال و ابواب مصادر کو بسط سے بیان کیا گیا ہے اور اسناد حدیث و تفسیر حضرت مولانا السید فخر الحسن صاحب مدظلہ نے اس پر نظر ثانی فرماکر اس میں چار چاند لگادیئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا سلیس اردو میں ترجمہ اور مطلب بھی اس شرح میں موجود ہے جس پر حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مدظلہ نے پوری پوری نظر کی ہے کتاب کی خوبی مطالعہ سے معلوم ہوسکے گی اور ان دونوں عالموں کی نظر نے جو افادیت پیدا کردی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ کتاب بہت جلد چھپ کر آنے والی ہے۔

کتب خانہ فخریہ دیوبند

مفید الطالبین بحاشیہ عربی جدید

استاذ الاساتذہ تاج الادبا مخدومنا حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نوراللہ مرقدہ شیخ الحدیث نائب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے ادب عربی کے مفید اور مشہور رسالہ مفید الطالبین پر بہت زیادہ قیمتی تحشیہ فرمایا۔ اس بارے میں یہ عرض کردینا کافی ہوگا کہ صدرالدین شیرازی نے صدرا اپنی عمر کے اوائل میں لکھا ہے اور اسفار اربعہ عمر کے آخری لمحات میں دونوں کی افادیت میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ اسی طرح علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عقائد نسفی اوائل عمر کی لکھی ہوئی ہے اور شرح مقاصد بعد میں لکھی ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ دونوں کتابوں میں کس قدر بون ہے۔ اسی طرح شیخ الادبا حضرت مولانا موصوف کا یہ تحشیہ عمر کے بہترویں سال کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب کے شروع میں حضرت محشی رح کا ایک اردو میں مقدمہ ہے جو متعلم اور معلم دونوں کے لئے یقیناً انمول موتیوں سے کم نہیں۔ اس مقدمہ میں حاشیہ کی خصوصیات درج فرمائی ہیں اور معلمین حضرات کو کچھ قیمتی ہدایات دی ہیں جن کی روشنی میں عربی ادب کے پڑھانے کا سلیقہ آجائے گا۔ کتاب چھپ کر آگئی ہے طلبا رعلم و ادب توجہ فرمائیں۔ قیمت فی نسخہ ۵۰/ نئے پیسے

ناشر کتب خانہ فخریہ دیوبند یوپی

اہلِ علم، اس باب میں کبھی دو رائے نہیں ہو سکتے کہ دماغ کی
اعلیٰ تربیت کے لئے فن منطق سے شناسائی ضروری ہے
ہزار مخالفتوں کے باوجود آج بھی اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا
ہے کہ وحی الٰہی کی نرم و نازک گفتگو، فقہ و قانون کے اصول،
دلائل و براہین کی سوجھ بوجھ، ذہن کی دراکی، دماغ کی رسائی،
فہم و شعور کی پختگی، تاریخ کا اخذ و استنباط، منابع فلسفہ کی
ترتیب و تہذیب .... یہ سب باتیں اس امر پر
موقوف ہیں کہ دماغ و عقل ٹھیک ٹھیک کام کرنے لگیں اسی کی
اعانت کا نام۔ "منطق" ہے۔ ہم دعوت دیتے ہیں کہ
آپ فن منطق کی سب سے پہلی کتاب

مِرقاۃ

کی یہ تازہ شرح "تشریحات علی المرقاۃ" ملاحظہ کریں طلباء علماء
کے لئے اس وقت بہترین تحفہ ہے۔ اس کی سلاست و نفع بخشی
کی تائید حضرت مجاہد ملتؒ حضرت مفتی اعظم مولانا عتیق الرحمان
اور لسان الاسلام حضرت مولانا سید فخر الحسن کے قلم سے شریک کتاب
ہے۔ پہلا ایڈیشن قریب الختم۔ قیمت تین روپے

تقریظ

زبدۃ العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا الحاج القاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند دامت برکاتہم

بر کتاب حضرت مولانا فخر الحسن صاحب استاذ دار العلوم دیوبند کی تالیف

حیاتِ امام طحاویؒ

احقر کے سامنے ہے جو علامہ محمد زاہد الکوثری مصری کے رسالہ "الحاوی فی سیرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی" کا ترجمہ ہے ترجمہ کی خوبی اور مضمون خیزی نیز جا بجا علمی فوائد کے اضافوں سے وہ ترجمہ کی حیثیت لئے ہوئے نہیں بلکہ اسے مستقل تالیف کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ اصل کے زور بیان کو نہ صرف باقی رکھا گیا ہے بلکہ اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ تالیف حضرت مولانا ممدوح کے فیض علمی کے مبارک آثار میں سے ہے۔ تالیف مذکور کو جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھا تالیف یا ترجمہ کے مستند ہونے کیلئے یہ کافی ہے وہ ایک دار العلوم کے استادِ حدیث کا علمی کارنامہ ہے، اور اپنے موضوع پر جاوی اور شگفتہ کتاب ہے۔ امام طحاویؒ پر قلم بہت کم اٹھایا گیا ہے لیکن حضرت مولانا موصوف نے اس کمی کو بحمد اللہ بہت حد تک پورا کر دیا۔ اہلِ علم کیلئے عموماً اور حضراتِ حنفیہ کیلئے خصوصاً قیمتی ہدیہ ہے حق تعالیٰ اس مبارک علمی سعی کو قبول فرمائے اور اہلِ فضل و کمال کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ آمین،

محمد طیب مہتمم دار العلوم

۵ رجب ۱۳۸۳ھ شنبہ

(ملتقط من التقریظ البسیط)